انڈویجوئل لینڈ

انفرادی آزادی کے لئے کوشاں

فرد

شمارہ نمبر ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۵ء

این جی اوز:
ملک دوست یا ملک دشمن؟

In collaboration with

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT

Follow us on twitter and facebook INDIVIDUALLAND

فرد

شمارہ نمبر ۹ مئی ۲۰۱۵ء

ایڈیٹر:
سندس سیدہ

کوارڈینیشن: سید فہد الحسن
اویس محمود

ڈیزائین
عدیل امجد، ڈاٹ لائنز

پبلشر:
انڈویجوئل لینڈ پاکستان

آئی ایس بی این ۶ ۳۵ ۹۵۸۲ ۹۶۹ ۹۷۸

فہرست

اداریہ
کیا ہوا میں بھی محل تعمیر ہوتا ہے؟ ۱
کیا تصویر کا تیسرا رخ بھی ہے؟ ۳
گمنام این جی اوز! ۵
توجہ درکار ہے! ۷
این جی اوز: تشدد انتہا پسندی کے خاتمے میں اہم کردار ۹
آپ کے روپے! ۱۱
انہی پتھروں پہ چل کر! ۱۳
پاکستان میں انسانی حقوق! ۱۵
زمہ دار اداروں کی غیر زمہ داریاں ۱۷
پابندیوں کے دیس میں! ۱۹
سوچ پر کس کا پہرہ ہے؟ ۲۱

Individualland
Creating space for the individual

مکان نمبر ۲۸۹، السٹونیا ایوینیو، سفاری ولاز فیز ۳، بحریہ ٹاؤن اسلام آباد

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT
کے تعاون سے

اداریہ

آج کل ہمیں اگر کوئی خبر اپنے دوستوں اورعزیزوں تک پہنچانی ہو تو سب سے آسان کام ہے کہ سوشل میڈیا پر ایک پوسٹ کر دیں تھوڑی دیر میں کال میسج اور کمنٹ ملنا شروع ہو جائیں گے۔ فیس بک دیکھتے ہوئے میری نظروں سے میری ایک سہیلی کی پوسٹ گزری جس کو سرکاری نوکری ملی تھی۔ لوگ اسکو مبارک باد دے رہے تھے اور زیادہ تر لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ خوش قسمت ہے کہ اسکو سرکاری نوکری مل گئی ہے۔ کمنٹ پڑھتے پڑھتے میں محظوظ ہو رہی تھی کیونکہ سرکاری اور این جی اوز کے لوگوں کی اس نوکری کے بارے میں مختلف رائے تھی۔ ساتھ ہی ساتھ سرکاری اداروں میں کام کرنے والے اپنے ادارے کی اور این جی اوز میں کام کرنے والے اپنے کام کی تعریف کرتے دیکھائی دیے۔

این جی اوز میں کام کرنے والوں کا خیال تھا کہ وہ حکومتی اداروں سے بہتر کام کر رہے ہیں۔ بنیادی سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن یہ بوجھ بھی این جی اوز نے اٹھا رکھا ہے اور وہ ہر کام میں پیش پیش ہیں۔ یہاں سرکاری اداروں میں کام کرنے والوں کی جانب سے سوال اٹھایا گیا تھا کہ کیا وہ واقعی ملک وقوم کی بہتری کے لیے کام کر رہی ہیں یا ان کے لیے کوئی بھی کام صرف پراجیکٹ ہے؟ جس کے لیے ان کو پیسے ملتے ہیں اور غیر منافع بخش ادارے بس اپنا منافع دیکھ کر کام کرتے ہیں۔ جبکہ این جی اوز میں کام کرنے والوں کے مطابق سرکاری اہلکار تنخواہ لیتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ لیکن تنخواہ لینا تو بعد کی بات ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ سرکاری نوکری ملتی ہی سفارش والوں کو ہے۔

میں ان باتوں سے انحراف نہیں کرتی لیکن یہ ضرور لکھنا چاہوں گی کہ سرکاری اداروں کی جانب سے جو اقدامات کیے جاتے ہیں لوگ ان کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ این جی اوز ایک طویل عرصے سے کام کر رہی ہیں پھر بھی ان کے کام کو اتنا فروغ نہیں ملا جتنا کہ کسی سرکاری ادارے کے کسی بھی اقدام کو پزیدائی ملتی ہے۔ اسکے پیچھے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ این جی اوز کے پراجیکٹ طویل مدت کے نہیں ہوتے اس کے مقابلے میں حکومتی اقدامات دیرپا ہوتے ہیں۔ معاملہ کوئی بھی ہو سرکاری اداروں اور این جی اوز کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہیں، کہیں اچھے کام ہو رہیں تو وہیں پر برے کام کرنے والے بھی ہمارے ہی معاشرے کا حصہ ہیں۔

این جی اوز کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ این جی اوز ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک میں معاشرے کی ضرورت ہیں۔ بہت سے ایسے موضوع ہیں جن پر این جی اوز کام کر رہی ہیں ہمارے معاشرے اور اظہارِ رائے کی آزادی اسی صورت میں ممکن ہے جب افراد کو کوئی ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے جہاں سے وہ اپنا نقطہ نظر بہتر طریقے سے دوسروں تک پہنچاسکیں۔ یہ پلیٹ فارم ان کو سیاسی پارٹیاں فراہم کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں یہ ہی ہوتا آیا ہے کہ ذمہ داری کسی کی ہے اور نبھا کوئی اور رہا ہے۔ مثال کے طور پر این جی اوز حکومت اور سیاسی پارٹیوں کا کام کر رہی ہیں، حکومت ابھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوئی اور سیاسی پارٹیوں کے لیڈران نے اپنی اپنی این جی اوز بنا رکھی ہیں۔ جس میں کوئی مذائقہ نہیں لیکن فنڈ کی تقسیم پھر اپنوں تک ہی رہ جاتی ہے۔

اسی لیے این جی اوز کا احتساب بھی ضروری ہے اور یہ کام مختلف ڈونرز اور آڈٹ کرنے والی ٹیمیں کرتی ہیں۔ لیکن این جی اوز کے ساتھ ساتھ حکومت کا احتساب کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ حکومت کسی صورت بھی اپنی ذمہ داریوں سے دست بردار نہیں ہوسکتی۔ لہذا جب تک ہماری حکومت اپنی تمام تر ذمہ داریاں بہتر طور پر نہیں نبھاتی، اس خلا کو پر کرنے کے لیے این جی اوز کو اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہنا چاہئے لیکن اسکے ساتھ حکومت کی سرپرستی میں اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے چاہییں بلاشبہ جیسے ہم دوسرے ممالک کے ماہر افراد سے مدد لیتے ہیں اسی طرح حکومت این جی اوز کے ماہر افراد کے ساتھ مل کر اچھے کاموں کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ این جی اوز کس حد تک ذاتی مفاد کے لیے کام کرتی ہیں لیکن اگر ان کے کام سے ملک وقوم کے لیے بہتری ہے تو ان کو کام کرتے رہنا چاہیئے۔ ہر ادارے کی کچھ حدود ہوتی ہیں جہاں سرکاری ادارے کام نہیں کر سکتے وہاں پھر غیر سرکاری اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔

سندس سیدہ

کیا ہوا میں بھی محل تعمیر ہوتا ہے ؟

تحریر: الہام کاکڑ

این جی اوز میں کام کرنے والوں سے اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ آپ کا ادارہ کن موضوعات پر کام کرتا ہے؟ اگر آپ کسی ایسی این جی او میں کام کرتے ہیں جو فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرم ہیں تو آپکی این جی او کی تعریف میں پل باندھ دیے جائیں گے۔ اس صورت میں ادارے اور کام کے بارے میں آپ عام طور پر مزید جواز پیش کرنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کسی ایسی این جی او میں کام کرتے ہیں جو تحقیق کرتی ہے تو اس صورت میں آپکو اپنے کام کی تفصیلات اور کام کرنے کا جواز پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بے شمار پیچیدہ نوعیت کے سوالات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر آپ کی این جی او صحت، تعلیم یا امدادی سرگرمیوں میں سرگرم ہے تو وہ قابلِ قبول ہے لیکن اگر آپ کسی تحقیقی این جی او سے وابستہ ہیں تو یہ آپکے لیے مشکل ترین مرحلہ ہے۔

این جی اوز کے بارے میں عام طور پر یہ ہی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی فلاح و بہبود کے کام سے منسلک ہوں گی۔ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں، ان کو صحت کی بنیادی سہولیات میسر نہیں ہیں، ان کو مختلف سطح پر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، امن وامان کی صورتحال نہایت تشویشناک ہے اور ایسی صورت میں ڈونرز کا دیا گیا پیسہ خرچ کرنے کے لیے ان مسائل پر توجہ دینے کو فوقیت دی جاتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری ترجیحات بھوکے لوگوں کو کھانا کھلانا، بیماروں کا علاج کروانا اور تشدد سے متاثرہ لوگوں کی مدد کرنا بس یہ ہی رہ جاتی ہیں؟ وہ این جی اوز جو تحقیق کرتی ہیں ان کی کتابوں پر دھول جمی رہ جاتی ہے کیونکہ وہ ہمارے معاشرے کے پریشان حال لوگوں کی ضرورت نہیں ہیں۔ لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اگر وہ ہمارے معاشرے کے پریشان حال لوگوں کی ضرورت نہیں ہیں تو کیا وہ ان کے مسائل، مشکلات اور صورتحال کی عکاسی بھی نہیں کرتیں؟ آج کے دور میں ہم کتابوں اور اخبارات سے دور ہو گئے۔ کیا ہمیں ایسی کتابوں میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے جن کو پڑھنے والا کوئی نہیں ہو اور ان پر دھول جمی رہے؟ شاید این جی اوز کو لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی ضرورت ہے جو ریاست کی عدم توجہ کی بنا پر بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔

ہم ایسی قوم سے ہیں جو پیسے اسکول کے باہر بھیک مانگنے والے بچے کو دے دیں گے لیکن جو اسکول میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے اسکی تعلیم کے اخراجات سے آنکھیں موند لیتے ہیں۔ کیا کبھی کسی ایسے بچے کو پیسے دیتے ہوئے آپ نے یہ سوچا ہے کہ یہ بچے اسکول کیوں نہیں جاتے؟۔ چائلڈ لیبر اور بھکاری بننے کی وجوہات پر ریسرچ کر کے وقت کیوں ضائع کرنا؟ ہم جانتے ہیں کہ بچے اسکول نہیں جاتے کیونکہ ہم ان کو سڑکوں پر بہت سی سرگرمیوں میں ملوث دیکھتے ہیں، ہم کس طرح ان کی صحیح تعداد جانے بغیر اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی دیرپا اور مناسب اقدام کر سکتے ہیں؟ ریسرچ فراہم کرنے والی این جی اوز ہمیں ان بچوں کی تعداد بتا سکتی ہیں جو کہ مقصد کے حل کی جانب پہلا قدم ہے۔ اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد اور وجوہات جاننے کے بعد یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی پالیسی مرتب کرے اور اس پر عمل کرے تاکہ ان مسائل کا خاتمہ ہو سکے۔

جب ہم لوگوں کو قدرتی آفات، اور سیکورٹی کے مسائل سے دوچار دیکھتے ہیں تو ہم ان کو چھت، خوراک اور صحت کی سہولیات فراہم کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ معاشرے کے افراد کی ضروریات کیا ہیں؟ ہمیں ان ضروریات سے کون آگاہ کرے گا؟ ان سوالات کا جواب تبھی ممکن ہے جب ہمیں اعداد وشمار کا اندازہ ہو، جو کہ تحقیق سے ہی ممکن ہے۔ این جی اورز کے کام کے باوجود مقاصد حاصل نہیں ہو رہے اس کی ایک بڑی وجہ این جی اوز کی اور معاشرے کے افراد کی ضروریات اور ترجیحات میں تصادم ہے۔ یا اس کی ایک بڑی اور اہم وجہ حکومت کی جانب سے مردم شماری نہ کروایا جانا ہے۔ معاشرے کے افراد کی ضروریات کی نشاندہی کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کی درست تعداد کا اندازہ ہو۔ ۱۹۸۸ء کی مردم شماری کے اعداد وشمار کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرے کی ضروریات کا اندازہ لگانا غیر حقیقی ہے۔ حکومتی انتظامیہ سے کسی بھی صورت امید نہ رکھتے ہوئے این جی اوز اس حوالے سے بھی کام کر رہی ہیں۔ ۲۰۱۳ء کے الیکشن میں ووٹ ڈالنے کی اہمیت اور طریقہ کار سے متعلق آگاہی کے بعد بڑے پیمانے پر لوگوں کے رجحان میں تبدیلی نمایاں تھی جو کہ ملی جلی کوششوں سے ہی ممکن ہوا۔ این جی اوز اور حکومت کو معاشرے کو بہتر سہولیات فراہم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مل جل کر کام کریں۔ این جی اوز کی کوششیں کسی صورت بھی سرکاری اداروں کا متبادل نہیں ہیں۔

ایک بھوکے، بے گھر اور زخمی شخص کو صرف مدد چاہئے جو کہ اسکو مشکل سے نکال سکے، اس کو کتابوں کے ڈھیر سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ معاشرے کی ضروریات خاص طور پر بنیادی ضروریات کی فراہمی نہایت اہم ہے جو کسی بھی صورت میں اعداد و شمار اور ریسرچ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تحقیق کرنے والی این جی اوز در اصل بنیاد فراہم کرتی ہیں کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں اور فلاح و بہبود کا کام کرنے والے اداروں کو کیا چیزیں فراہم کرنی چاہییں۔ اگر حقائق اور دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے بات کی جائے تو سیدھی بات یہ ہے کہ کوئی این جی او چاہے وہ فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرم ہو یا تحقیق کے، وہ برے حالات کو تبدیل کرنے کے لیے کام کر رہی ہیں۔

مصنفہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

کیا تصویر کا کوئی تیسرا رخ بھی ہے؟

تحریر: سندس سیدہ

میں ایک ایسے ادارے میں کام کرتی ہوں جس کی بدولت مجھے پاکستان کے بیس سے زائد شہروں میں مختلف پروگراموں کا انعقاد کرنے اور شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف لوگوں سے مل کر ان کے خیالات جاننے کے بھی مواقع میسر آئے۔ عیدِ قربان کی آمد آمد تھی اور اسی سلسلے میں ہمارے ادارے نے حکومتی اداروں کی شراکت سے ایک پراجیکٹ پر کام کرنے کا آغاز کیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں عیدِ قربان کے موقع پر ۲۰۱۴ء میں کھالوں سے تقریباً گیارہ ارب روپے کا منافع کمایا گیا۔ یہ ہی کھالیں جس سے منافع کمایا جاتا ہے لوگ بے شمار ایسے اداروں کو بھی دیتے ہیں جن کے بارے میں ان کو آگاہی نہیں ہوتی اور وہ تنظیمیں حکومت کی جانب سے کالعدم قرار دی گئی ہوتی ہیں۔ کھالیں ایسے اداروں تک نہ پہنچیں اس سلسلے میں ہمارے ادارے نے حکومت کے تعاون سے بینر، اسٹیکر اور بل بورڈ لگانے کے ساتھ ساتھ بلدیاتی حکومت، میڈیا، سول سوسائٹی اور مذہبی راہنماؤں کے ساتھ آگاہی کے لیے تقریبات کا انعقاد کیا۔ ہماری ایک تقریب کے موقع پر وزارتِ اطلاعات کی جانب سے مہیا کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق ہمارے دیے گئے عطیات کا دس سے پندرہ فیصد کالعدم تنظیموں کو جاتا ہے، جن میں سے ۲۶ فیصد لوگ اس بات سے آگاہ نہیں ہوتے کہ ان کی دی گئی رقم کہاں خرچ کی جا رہی ہے۔ جبکہ صرف ۲ فیصد لوگوں کو اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی دی گئی رقم کالعدم تنظیمیں استعمال کر سکتی ہیں۔

اسی سلسلے میں خود کو آگاہ رکھنے کے لیے میں نے اخبارات میں شائع ہونے والی اس عنوان کی خبروں اور آرٹیکلز کو بھی پڑھا جس میں حکومتی اداروں کی جانب سے قومی لائحہ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے عیدِ قربان کی آمد سے پہلے ہی اعلانات اور بیانات جاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک خبر تھی کہ "عیدالاضحیٰ کے موقع پر کالعدم جماعتوں کو قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی"۔ اردو کے ایک اخبار میں کالعدم اداروں کی ایک فہرست بھی شائع کی گئی جن پر قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اس فہرست میں ان جماعتوں کے نام تھے جو کہ صرف کھالیں ہی نہیں بلکہ عطیات، صدقات، زکوٰۃ اور عشر بھی اکٹھا کرتی ہیں۔ کیا واقعی وہ ادارے جو کالعدم ہیں وہ اجازت لے کر یہ کام کر رہے ہیں؟ اور سوال تو یہ بھی ہے کہ اگر یہ ادارے اجازت لے کر کام کرتے ہیں تو ان کو اجازت کون دیتا ہے؟ یہ بات ضرور ہے کہ کالعدم اداروں کو اجازت نہ دینے کا اعلان حکومت کی جانب سے حق بجانب ہے۔ کیا یہ پابندی محض کھالوں پر لگائی گئی ہے یا زکوٰۃ اور صدقات اکٹھے کرنے پر بھی پابندی ہمیشہ برقرار رہے گی؟۔ ایک جانب میں اخبارات میں یہ خبریں پڑھ رہی تھی اور دوسری جانب اسلام آباد کی سڑکوں پر آویزاں بینر، سٹیمر اور دیواروں پر لگائے گئے پوسٹر اس سے بالکل مختلف تصور پیش کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ تنظیمیں اتنے بڑے پیمانے پر یہ کام نہیں کر رہی تھیں لیکن اسلام آباد میں لگائے گئے بینر سے ظاہر تھا کہ ان کی سرگرمیاں جاری ہیں اور وہ اعلان کر رہے ہیں کہ اس بار بھی وہ کھالیں اکٹھی کریں گے۔

ایک اخبار میں شائع ہونے والی کالعدم جماعتوں کی فہرست کی تصویر یہاں دی جا رہی ہے۔

لاھور: محکمہ داخلہ پنجاب نے 20 کالعدم تنظیموں کی لسٹ پنجاب پولیس کو بھیجوا دی ھے اور یہ تنظیمیں کسی بھی طرح قربانی نھیں کر سکیں گی۔

سرکاری دستاویزات کے مطابق ان کالعد م تنظیموں میں لشکر جھنگوری سپاہ محمد پاکستان، لشکر طیبہ، جیش محمد، سپاہ صحابہ پاکستان، تحریک نفاذ شریعت محمدی، تحریک جعفریہ پاکستان، ملت اسلامیہ پاکستان، خدام الا سلام، اسلامی تحریک پاکستان، حزب التحریر، جمعیت الانصار، جماعت الفرقان، خیر النساء، انٹرنیشنل ٹرسٹ، اسلامیک سٹوڈنٹش موومنٹ پاکستان اور تحریک طالبان پاکستان شامل ھیں۔

اس فھرست میں بلوچستان کی بھی 5 کالعدم تنظیمیں شامل ھیں۔ جن میں بلوچستان ریپبلکن آرمی، بلوچستان لیبریشن فرنٹ، لشکر بلوچستان، بلوچستان لیبریشن یونائٹیڈ فرنٹ اوربلوچستان مسلح دفاع تنظیم شامل ھیں۔ پولیس کے مطابق اگر کوئی بھی کالعدم تنظیم کھالیں اکھٹی کرنے میں ملوث پائی گئی تو ان ک خلاف مقدمات درج کیے جائیں گے اور انھیں نام تبدیل کر کے بھی کھالیں جمع کرنے نھیں دی جائیں گی۔

کیا آپ لوگ اس بات سے آگاہ ہیں کہ کون سی جماعتوں کو قربانی کی کھالیں نہیں دینی چاہییں؟ کیا آپکو معلوم ہے کہ کون سے ادارے کالعدم ہیں؟ عام طور پر آپ لوگ

کھالیں کہاں دیتے ہیں؟ یہ وہ سوالات تھے جو میں نے تقریب کے موقع پر لوگوں کے سامنے رکھے اور جاننے کی کوشش کی کہ تقریب میں شامل بلدیاتی حکومت، میڈیا، سول سوسائٹی اور مذہبی راہنماؤں کی اس حوالے سے کیا رائے تھی۔ پنجاب کے پانچ شہروں سے شامل ہونے والے لوگوں نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ کچھ اس طرح سے تھے کہ سول سوسائٹی کے نمائندگی کرنے والے لوگوں نے کہا کہ "لوگ زیادہ تر کھالیں اپنے فرقے سے تعلق رکھنے والے مدارس یا اداروں کو دیتے ہیں، یا پھر وہ ادارے جن پر ان کو اعتماد ہو جیسے کہ مذہبی ادارے۔ یہ کام لوگوں کے لیے ثواب کمانے کے مترادف ہے، دینے والوں کی نیت ٹھیک ہوتی ہے، کھالیں جن اداروں کو دی جاتی ہیں وہ کن مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کے بارے میں کبھی کسی نے نہیں سوچا نہ ہی جاننے کی کوشش کی"۔ بلدیاتی حکومت کے نمائندگان نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ابھی تک ہماری جانب سے کچھ خاص اقدامات نہیں کیے گئے۔ بلاشبہ مقامی انتظامیہ کو اس سلسلے میں متحرک کیا جانا چاہئے تاکہ وہ کالعدم تنظیموں کو کھالیں اکٹھی کرنے اور کیمپ لگانے کی اجازت نہ دیں"۔ مذہبی راہنماؤں کے خیال میں "ہمیں کھال دیتے ہوئے اسلامی اصولوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے، کھالیں ذاتی استعمال میں بھی لائی جاسکتی ہیں اور کسی غریب کو بھی دی جاسکتی ہیں تاکہ وہ اس سے منافع کما سکے، اسکے علاوہ اگر ہم ملک وقوم کی سلامتی چاہتے ہیں تو کھالیں دیکھ بھال کر دینے میں ہی عافیت و بھلائی ہے"۔ میڈیا کے نمائندگان سے جب اس حوالے سے بات کی گئی کہ وہ لوگوں کو آگاہ کریں کہ کون سی تنظیموں پر کھالیں اکٹھی کرنے پر پابندی عائد کی گئی ہے تو میڈیا کے نمائندوں نے کہا کہ وہ خود ان تنظیموں سے باخبر نہیں ہیں"۔

تقریب کے اختتام تک زیادہ تر لوگ کسی نا کسی طور پر اس بات سے متفق ہو جاتے تھے کہ کھالوں کا عطیہ ایسے اداروں کو دیا جانا ضروری ہے جو امن و رواداری کے فروغ کے لیے کام کرتی ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ مذہبی رہنما اور سیاسی تنظیمیں اس بات سے نالاں تھے کہ حکومت جب ایسے اقدامات کرتی ہے تو ایسی تنظیمیں اور خاص طور پر مذہبی تنظیمیں اور مذہبی مدارس بھی متاثر ہوتے ہیں جو کسی بھی قسم کی غلط سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہیں۔ مجھے ان کی بات سے اتفاق تھا کیونکہ جب ہم نے تقریبات کا انعقاد کیا تو ہمیں ڈسٹرکٹ کوآرڈینیشن آفیسر کے دفتر سے اجازت لینا پڑی۔ یقیناً حکومت کی جانب سے کسی بھی ادارے کی سرگرمیاں منعقد کروانے پر نگاہ رکھی جا رہی ہے لیکن ایسے ادارے جو رجسٹرڈ بھی ہیں اور کسی نا کسی طرح حکومت کی معاونت کر رہے ہیں ان کے کام میں بھی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔

مختلف شہروں میں اس تقریب کے بعد جب میں گھر پہنچی تو میرے گھر کی دیوار پر ایک تنظیم کا پوسٹر لگا تھا جس پر کھالیں اکٹھی کرنے کی اپیل کی جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ کیا واقعی مقامی انتظامیہ جانتی ہے کہ ان کو کن تنظیموں پر نظر رکھنی ہے؟ کھالیں اکٹھی کرنے کے علاوہ بھی بے شمار کالعدم ادارے فلاح و بہبود، تعلیم، صحت، اور بنیادی سہولیات فراہم کرنے کے کے کاموں میں سرگرم ہیں۔ تہواروں کے علاوہ عام حالات میں بھی ہم صدقہ خیرات، زکوٰۃ دیتے ہیں اور دینے سے پہلے تحقیق نہیں کرتے بلکہ ایسے فلاح و بہبود کے کام کرنے والے اداروں کو دیتے ہیں جو ہمیں سرگرم نظر آتے ہیں، ان ہی اداروں میں بے شمار ادارے ایسے ہیں جو کہ حکومت نے کالعدم قرار دیے ہیں۔ اس سب کے باوجود اسلام آباد اور راولپنڈی میں ان اداروں کے کیمپ بھی دیکھائی دیتے ہیں اور ان اداروں کے بینر بھی جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے یہ شہر جہاں ہر روز وی آئی پی مومنٹ ہو رہی ہوتیں ہیں اور اہم سیاسی شخصیات کا بھی گزر رہتا ہے اگر ان شہروں میں کالعدم جماعتوں کی سرگرمیاں اس بڑے پیمانے پر ہو رہی ہیں کہ آئے دن ان کے کیمپ سرِ عام لگے رہیں تو دیہات اور دور دراز علاقوں میں جہاں بالکل بھی کوئی جانچ پڑتال نہیں ہے وہاں یہ کام بہت آسان ہے۔ یہ جانچ پڑتال کا کام صرف حکومت کا نہیں ہے بلکہ حکومت کے ساتھ ساتھ شہریوں کی بھی ذمہ داری ہے اگر وہ کسی ایسی تنظیم کو دانستہ یا نادانستہ طور پر عطیات دے رہے ہیں تو ایسا کرنے سے گریز کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عوام میں شعور اور آگاہی ہو کہ وہ کالعدم تنظیموں کو فنڈ دینے سے اجتناب کریں۔

مصنفہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

گمنام این جی اوز!

تحریر: ریحان علی

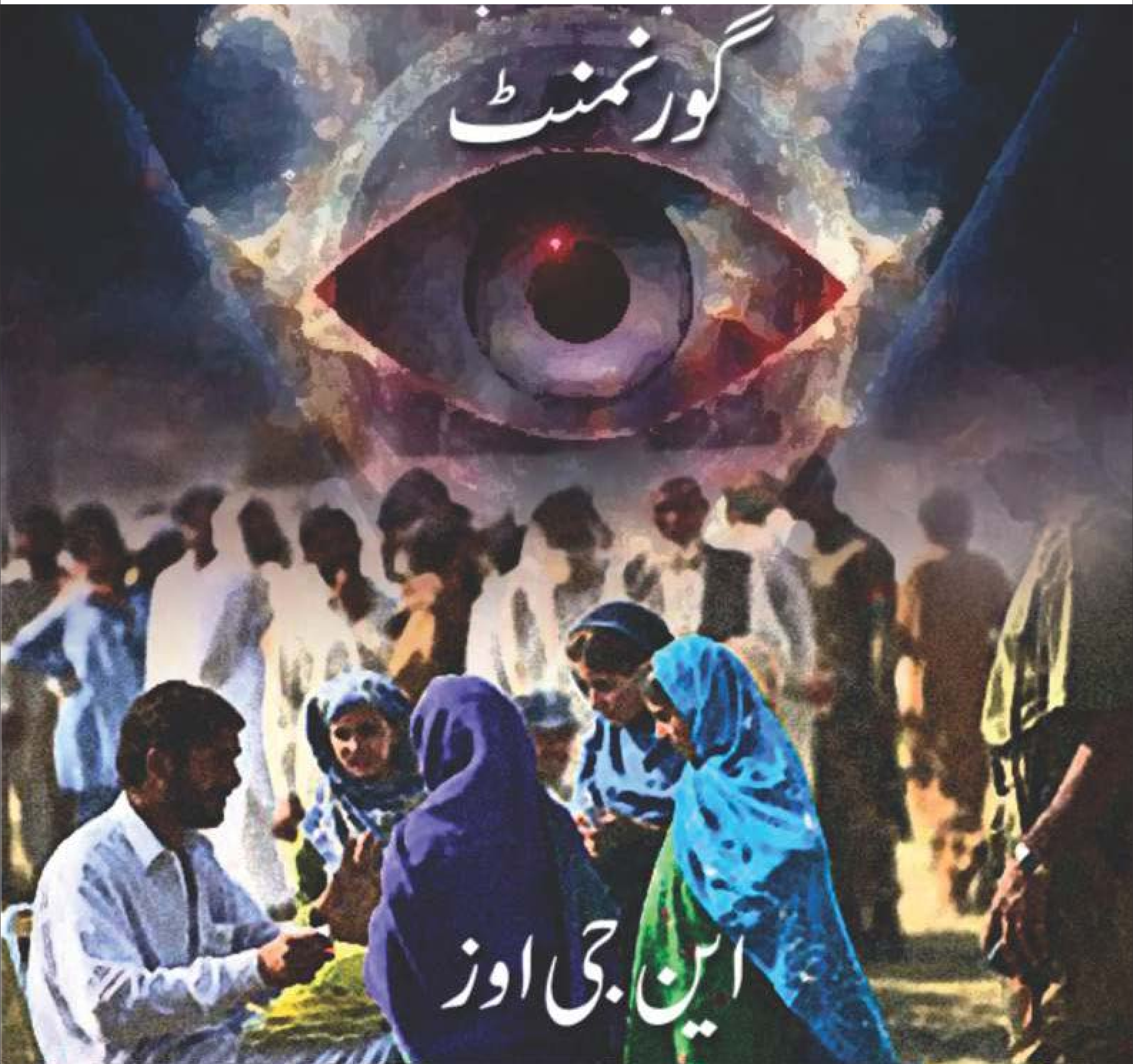

کسی بھی ملک کی ترقی میں این جی اوز ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں، خصوصاً پاکستان جیسے ملک میں جو ابھی ترقی پذیر ہے۔ این جی اوز غیر منافع بخش اداروں کے طور پر مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر کام کرتی ہیں۔ این جی اوز بہت سے خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ انسانی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی ہیں اور شہریوں کے مسائل کو حکومتوں کے سامنے پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بعض این جی اوز کسی خاص موضوع پر کام کرنے میں مہارت رکھتی ہیں، جیسا کہ انسانی حقوق، ماحولیات اور صحت وغیرہ۔

پاکستان کے وجود کے پہلے تیس سال این جی اوز کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا، البتہ اسی اور نوے کی دہائی میں اِن کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ پاکستان کی ترقی میں خواتین کے کردار سمیت بڑھتی ہوئی آبادی، انسانی اور قانونی حقوق کے بارے میں آگاہی دینے میں بہت سی این جی اوز نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پسماندہ علاقوں میں صاف پانی، صحت وصفائی اور روزگار کی فراہمی جیسی خدمات کی فراہمی میں بھی این جی اوز اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بہتر کارکردگی کی بنیاد پر این جی اوز پائیدار ترقی کے قومی تصورات اور پالیسیوں میں تبدیلی کا باعث بنی ہیں۔

این جی اوز غیر منافع بخش ہونے کی وجہ سے ایک ادارہ چلانے کیلئے درکار مالی وسائل نہیں رکھتیں اسی لئے وہ وسائل کے حصول کیلئے امداد فراہم کرنے والے اداروں پر انحصار کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے امداد فراہم کرنے والا چاہے کوئی فرد ہو، ادارہ ہو یا کوئی ادارہ، این جی اوز کا احتساب بھی کرتے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ فراہم کردہ وسائل صحیح سمت میں خرچ کیے جا رہے ہیں۔ یقیناً وسائل فراہم کرنے کے باعث امداد فراہم کرنے والے ادارے یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ امداد لینے والے ادارے کا احتساب کرے مگر اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ حکومت ملک میں کام کرنے والی تمام این جی اوز کے بارے میں معلومات رکھے تاکہ حکومتی اداروں کو امداد فراہم کرنے والے اداروں کے بارے میں ہر طرح کی معلومات ہوں۔

بدقسمتی سے پاکستان میں حکومت نے این جی اوز کے بارے میں تمام معلومات رکھنے کیلئے کوئی خاطر خواہ انتظامات نہیں کیے جس کی وجہ سے بدعنوانی اور کرپشن میں اضافہ ہوا ہے۔ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ ادارے جعلی رسیدوں کے ذریعے بہت سا مال بٹورتے ہیں اور عملے کی بھرتی کے دوران بھی رشوت وصول کرتے ہیں۔ چونکہ حکومت این جی اوز کے بارے میں تفصیلات اکٹھی کرنے میں ناکام رہی ہیں اسی لئے بہت سے کالعدم ادارے بھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالیں اکٹھی کرتے ہیں اور اُس سے حاصل کردہ رقوم کو اپنے فائدے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ قدرتی آفات جیسے کہ سیلاب کے دوران بھی یہ ادارے نام تبدیل کرکے اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔

اگر بھارت سے پاکستان کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بھارت میں این جی اوز پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ حال ہی میں بھارتی حکومت نے حساس اداروں کے ساتھ ۴۲۰۰۰ سے زائد این جی اوز کی تفصیلات شیئر کیں تاکہ اُن کے امداد فراہم کرنے والے اداروں کی تفصیلات معلوم کی جاسکیں اور معلوم پڑنے پر کہ بعض ادارے فنڈز کا ناجائز استعمال تو نہیں کررہے، ان کی نگرانی بڑھادی گئی۔ پاکستان میں این جی اوز کی نگرانی کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ بہت سی این جی اوز سیاستدانوں کے قریبی رشتہ دار چلارہے ہیں۔ یقیناً ایسا کرنا ناجائز نہیں مگر اس سے مفادات میں تصادم کا خدشہ ضرور رہتا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو حکومت این جی اوز کی تفصیلات مرتب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی یا احتساب سے بچنے کیلئے اسے ایسا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یقیناً ایسا وہیں ہوتا ہے جہاں قانون کی بالادستی نا ہو، ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہو اور انہیں ناجائز کام کرنے سے روکنے والا کوئی نہ ہو۔ قانون کی بالادستی اور احتساب نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے ادارے حکومتی نااہلی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر قانونی کاموں اور ملک دشمن کاروائیوں میں لگ جاتے ہیں۔

حکومت کو ایک ایسی پالیسی مرتب دینے کی ضرورت ہے جس کے تحت ملک میں کام کرنے والی این جی اوز اپنی تمام تر معلومات جیسے پراجیکٹس، بجٹ اور اکاؤنٹس کی تفصیلات حکومت کو فراہم کرے۔ بین الاقوامی این جی اوز یہ تفصیلات ڈویژن برائے اقتصادی امور جب کہ مقامی ادارے یہ تفصیلات اپنے علاقے کے ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن افسران کو فراہم کریں۔ اور اس بات کی یقین دہانی بھی ضروری ہے کہ جو این جی اور جسٹریشن کے وقت جس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کرے مستقبل میں بھی اُسی پر کام کرے۔ یقیناً اِن اقدامات سے این جی اوز حکومت کو جوابدہ ہوں گی اور اپنا کام بہتر طریقے سے انجام دے پائیں گی اور حکومت کے اعتماد میں اضافے کے ساتھ ساتھ ملک وقوم کا بھی فائدہ ہوگا۔

مصنف انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

توجہ درکار ہے!

عاطف فاروق

پاکستان میں بے شمار این جی اوز سرگرمِ عمل ہیں لیکن کون سی این جی او کس ایریا میں کام کر رہی ہے اس کے حوالے سے تفصیلات کہیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے چند سال پہلے کوئی ادارہ یا این جی او رجسٹر کروائی تھی اور وہ کام نہیں کر رہی اس کے حوالے سے بھی کوئی معلومات نہیں ہیں کہ وہ ادارہ کہاں ہے؟ کیوں بنایا گیا تھا اور کہاں گیا؟ کیا وجوہات ہیں کہ وہ کام نہیں کر رہا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ادارہ کسی بھی وقت متحرک ہو جائے اور کوئی بھی کام کرنا شروع کر دے۔ کیونکہ ہمارے ہاں جو ادارے جن عنوانات پر کام کرنے کے لیے رجسٹر کروائے گئے ہیں وہ ان کاموں کے علاوہ بھی کام کر رہے ہیں۔ بلکہ این جی اوز ٹرسٹ کے کام اور ٹرسٹ این جی اوز والے کام کر رہی ہیں۔ بہت سی این جی اوز یا ادارے ایسے ہیں جو کسی ایک خاص ملک کی فراہم کردہ امداد سے کام کر رہے ہیں اور بعض ایک سے زائد ملکوں سے بھیجی گئی امداد، خیرات اور عطیات کے ذریعے اپنے کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ امر قابلِ فہم ہے کہ ایسی امداد کا مقصد امداد وصول کرنے والے ملک کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی ترقی کو فروغ دینا ہوتا ہے، البتہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کیا اس امداد کے ساتھ ساتھ ڈونر اپنے نظریات کو بھی فروغ دے سکتا ہے اور ایسا کرنے کی وجہ سے امداد وصول کرنے والے ملک کو کسی قسم کا نقصان ہو رہا ہے؟

وزارتِ داخلہ کی جانب سے ۱۲ جون، ۲۰۱۵ء کو 'مغربی' این جی اوز، جیسا کہ سیو دا چلڈرن کے خلاف اٹھائے جانے والے حالیہ اقدام کی روشنی میں اِس عنصر کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ وزارت کے ترجمان کے مطابق اس کی وجہ سکیورٹی خدشات اور سیو دا چلڈرن کا جاسوسی کرنے میں کردار شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا کہ وہ تمام ادارے جو ملکی مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں اُن سب کو اسی نتیجے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ البتہ اس اعلانیے میں 'ملکی مفاد کے خلاف' جیسی اصطلاح کی کوئی تعریف نہیں کی گئی اور نا ہی یہ بتایا گیا کہ ان کی کاروائیوں سے کس قسم کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔

جیسا کہ سب کو میڈیا پر ان مغربی این جی اوز کے بارے میں بہت کچھ مثبت اور منفی سُننے کو ملا، وہیں یہ سوال بھی سامنے آیا کہ کیا وزارتِ داخلہ کی یہ کاروائی اُن تمام اداروں کو بھی سہنا پڑے گی جو ملک کی ترقی کے لیے کام کر رہی ہیں؟ (جیسا کہ اسلامی ادارے جو بظاہر فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرم نظر آتے ہیں)۔ ان اداروں کو امداد فراہم کرنے والے بیرونی اسلامی ممالک اپنے اپنے نظریات کے فروغ دینے کے لیے ان اداروں کا سہارا لیتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ فرقہ وارانہ تصادم عام ہوتا جا رہا ہے اور شدت اور عسکریت پسندی بڑھتی جا رہی ہے۔ ان میں سے بہت سے اداروں کا قیام مسلمان ملکوں میں وقوع پزیر ہونے والی جنگوں کے دوران ہوا۔ اِن میں ۷۰ کی دہائی میں افغانستان اور ۹۰ کی دہائی میں ہونے والی بوسنیا کی جنگیں شامل ہیں۔ دورِ حاضر کی اسلامی اداروں میں اسلامک ریلیف، انٹرنیشنل اسلامک چیریٹیبل آرگنائزیشن، مسلم ایڈ، لائف فاز ریلیف اینڈ ڈویلپمنٹ اور وقاف ایڈ ورلڈ وائڈ وغیرہ شامل ہیں۔ ان اداروں کا زکوۃ، عشر، خیرات، صدقات اور عطیات کو اکٹھا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک میں مختلف قسم کی ترقیاتی اور غربت ختم کرنے جیسے کاموں کیلئے خرچ کرنے میں ایک اہم کردار ہے۔

ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک میں جہاں لوگوں کو بنیادی سہولیات میسر نہیں ہیں وہاں لوگ فلاح و بہبود کا کام کرنے والے خصوصاً اسلامی فلاحی اداروں کو اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایسے اداروں کو مقامی سطح پر بڑے پیمانے پر لوگوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے اور اسلامی ہونے کے ناطے لوگ انہیں اعتبار کے قابل بھی سمجھتے ہیں۔ اس

کے برعکس لوگ مغربی اداروں کو بیرونی ایجنڈا پھیلانے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسلامی فلاحی ادارے نچلی سطح تک رسائی رکھتے ہیں اور رسد اور تقسیم کے نہایت موثر نیٹ ورکس چلا رہے ہوتے ہیں۔ یقیناً ایسے اداروں کی خدمات سے مستفید ہونا ضروری ہے خصوصاً ایسے علاقوں میں جہاں تک حکومتی اداروں کی رسائی مشکل ہو۔ بدقسمتی سے ایسے بہت سے اسلامی فلاح و بہبود کے ادارے دنیا بھر میں موجود شر پسند اور عسکریت پسند اداروں سے بھی منسلک رہے ہیں۔ پاکستان میں موجود ایسے اداروں میں لشکرِ طیبہ کا فلاحی ادارہ فلاح انسانیت فاؤنڈیشن، الرشید ٹرسٹ کا معمار ٹرسٹ اور جیشِ محمد کا الرحمت ٹرسٹ سرفہرست ہیں۔ یہ ادارے مختلف طریقوں سے فنڈز اکٹھے کرتے ہیں البتہ ان فنڈز کا ایک بڑا ذریعہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اور سعودی عرب جیسے ممالک ہیں۔ اس تعلق کو ۲۰۰۸ء میں ہونے والے ممبئی حملوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے جس میں جماعت الدعوہ کو ملنے والی سعودی امداد شامل ہے، جو جماعت کے ممبران نے مدارس کی تعمیر کی مد میں حاصل کی تھی۔
سرکاری اور غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہر سال تقریباً ایک سو ملین ڈالر جنوبی پنجاب میں دیوبندی اور اہل حدیث نظریات کے پھیلاؤ کی خاطر مساجد اور مدارس کی تعمیر میں خرچ کیے جاتے ہیں اور یہ سارا پیسہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات سے بھیجا جاتا ہے۔ ان میں سے چند مساجد اور دینی مدارس شدت پسند اداروں کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور مزید تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیسہ ملک میں قدرتی آفات سے متاثرہ لوگوں کی بہبود کیلئے بھیجا گیا تھا۔

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بہت سے اسلامی ادارے بہت اچھا کام بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شدت پسندی اور دہشتگردی کے خلاف بھی آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ جب نیشنل ایکشن پلان مرتب دیا گیا، اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت سے ایسے اداروں پر پابندی عائد کر دی گئی جو پہلے کھلے عام کام کر رہے تھے۔ حکومت نے اب اپنی کاروائیاں تیز کر دی ہیں اور معمار ٹرسٹ اور الرحمت ٹرسٹ جیسے اداروں کے خلاف ملتان میں کیس رجسٹرڈ کیے گئے ہیں۔ ایف آئی اے اور اسٹیٹ بینک کے فائنینشل مانیٹرنگ یونٹ نے مل کر ملک میں غیر قانونی طور پر آنے والے پیسے کو روکنے کے لئے اپنی کاروائیوں میں اضافہ کیا اور چند منی ایکسچینج بھی کالعدم قرار دے کر بند کر دیے گئے۔ اس سال یوم دفاع کے موقع پر آرمی چیف نے دہشت گردوں کے حامیوں، دوستوں اور مالی معاونت کرنے والوں کے خلاف کاروائیوں کا فیصلہ کیا ہے۔ یقیناً یہ تمام اقدامات ملک کے فائدے کیلئے ہیں۔

ان سب سے پہلے ہمیں یہ طے کر لینے کی ضرورت ہے کہ کوئی بھی ملک اگر کسی دوسرے ترقی پذیر ملک کو پیسہ بھیج رہا ہے تو اس کے پیچھے اسکا کیا مفاد ہے؟ اور وہ ادارے جو اسلام کے نام پر فلاحی کام کر رہے ہیں لیکن کسی بھی ایک فرقے یا گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بیرون ممالک سے بھیجے جانے والا پیسہ کہیں فرقہ واریت، اور اشتعال انگیزی کو ہوا دینے کے لیے خرچ تو نہیں کیا جا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان اداروں کی بات کرتے وقت میں ان اداروں کو کس فہرست میں شمار کروں کیونکہ یہ ادارے نہ تو این جی اوز کی طرز پر کام کرتے ہیں اور نہ ہی غیر سرکاری اداروں کی فہرست میں انکا شمار ہوتا ہے۔ ہاں لیکن ایسا ضرور ہے کہ ان میں سے چند ادارے این جی او کے طور پر رجسٹرڈ کروائے جاتے ہیں۔ البتہ کیا یہ ادارے انہیں موضوعات پر کام کرتے ہیں جو وہ رجسٹریشن کے وقت بیان کرتے ہیں، اس حقیقت کو سامنے لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کالعدم اداروں پر پابندی لگانا ہے۔ کیونکہ دھوکا کسی بھی صورت میں دھوکا ہے۔ وہ ادارے جو بظاہر اسلامی نظریات کے فروغ کیلئے کام کرتے ہیں اور ان نظریات کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ بھی عوام کو دھوکے میں رکھتے ہیں۔ ایسا کرنا بالکل ایسا ہے جیسے ایک خطیب مسجد کے لاؤڈ سپیکر کو کسی ادارے یا خاص نظریے کے فروغ کے استعمال کرتا ہے۔ یقیناً مسجد میں آنے والا نمازی خطیب اور اُس کے ادا کیے الفاظ کو معتبر سمجھتا ہے، مگر بدقسمتی سے وہ اُس قسم کے ارادوں کی پہچان نہیں کر پاتا۔

اب یہ تمام کام اسی صورت میں ممکن ہیں جب حکومت کے پاس تمام اداروں کی تمام تر تفصیلات ہو، ایسا کرنے سے اچھا کام کرنے والوں کے لیے آسانیاں اور ملک دشمن اداروں کے لیے زمین خود بخود تنگ ہونا شروع ہو جائے گی۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ حکومت امن و امان کو فروغ دینے والی این جی اوز کی مدد سے اور ان ہی کے کامیاب پراجیکٹ کو آگے بڑھا کر دور رس نتائج حاصل کر سکے گی۔

مصنف انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

این جی اوز: متشدد انتہا پسندی کے خاتمے میں اہم کردار

ذوالفقار حیدر

’انتہا پسندی‘ ایک ایسی اصطلاح ہے جسے سنتے ہوئے ہمیں ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ البتہ اس اصطلاح کو مکمل طور پر سمجھنے میں ہم نے بہت وقت ضائع کر دیا، یہاں تک کہ اس دوران ہم نے ساٹھ ہزار سے زائد قیمتی جانیں بھی گنوا دیں۔ مگر دیر آئد درست آئد، شکر ہے کہ بحیثیت قوم ہمیں انتہا پسندی خواہ وہ متشدد ہو یا غیر متشدد، کے نقصانات کا کسی حد تک ادراک ہو گیا ہے۔ آرمی پبلک اسکول واقعے نے جہاں پوری قوم کو انتہا پسندوں کے خلاف متحد کیا وہیں اُن عناصر سے بھی پردہ اُٹھا دیا جو اندر ہی اندر انتہا پسندوں اور دہشتگردوں کی پُشت پناہی کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اُن غیر سرکاری اداروں یا این جی اوز کے کردار پر بھی بات ہونا شروع ہو گئی جو خود سے انتہا پسندی کے خاتمے یا روک تھام کے لئے کوشاں ہیں۔ یقیناً حکومت، فوج اور دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے متشدد انتہا پسندوں کے خاتمے کے لئے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، البتہ اِن ریاستی اداروں کی جانب سے اُس سوچ کے خاتمے کیلئے خاطر خواہ کوششیں نہیں کی گئیں جو زہر کی طرح پوری قوم میں پھیلتی جا رہی ہے۔

غیر سرکاری ادارے جنھیں عام زبان میں این جی اوز کہا جاتا ہے، کے کردار پر اکثر بات کی جاتی ہے۔ بلکہ حال ہی میں حکومت کی جانب سے بہت سی مقامی اور بین الاقوامی این جی اوز پر قدغن لگانے کی خبریں بھی سنائی دی گئیں۔ آخر یہ این جی اوز کرتی کیا ہیں اور حکومت اور ریاستی اداروں کی موجودگی میں اِن غیر سرکاری اداروں کو کام کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ کیا یہ صرف پیسہ کمانے کا ایک ذریعہ ہے یا اِن اداروں کے کام سے عوام کو بھی کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ اِن غیر سرکاری اداروں کے وجود کا مقصد ہی اُس خلاء کو کم کرنا ہے جو حکومت کی غیر موجودگی یا ایک کام کرنے کی صلاحیت نا ہونے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اِس لئے جہاں یہ این جی اوز صحت اور صفائی، صاف پانی کی فراہمی، تعلیم اور دیگر شعبوں میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں وہیں اِن این جی اوز کا متشدد انتہا پسند رویوں یا ایسی سوچ کے خاتمے میں کردار نہایت اہم ہے۔

پاکستان میں متعدد حکومتوں نے متشدد انتہا پسند رویوں یا ایسی سوچ کے خاتمے کیلئے کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کی، یہاں تک کہ پانی سر سے اوپر چلا گیا۔ نا صرف اِیسے رویوں کو نظر انداز کیا گیا بلکہ بعض اوقات چند حکومتی اراکین اِن انتہا پسندوں کے ساتھ کھڑے بھی نظر آئے۔ یقیناً ریاستی اداروں نے انتہا پسندوں کے خلاف جنگ جاری رکھی مگر اُن وجوہات اور خیالات کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوئے جو معاشرتی سطح پر انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں۔

این جی اوز نے اُن وجوہات اور احساسات پر سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے جن سے معاشرے میں انتہا پسندی پروان چڑھتی ہے اور یقیناً بہت سی این جی اوز اپنے مقاصد میں کامیاب بھی رہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے ذرائع ابلاغ کو بے نقاب کیا گیا ہے جو بظاہر خبروں کو عوام تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں مگر نظریاتی طور پر انتہا پسندوں کیلئے کام کر رہے ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ نوجوان، جو کہ ہماری قوم کا سرمایہ ہیں کو انتہا پسندوں کی پہچان کروانے میں اپنا اہم ترین کردار بھی ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کو وہ متبادل ذرائع بھی فراہم کیے ہیں جن میں مشغول ہو کر وہ اپنی توانائیوں کو مثبت طریقے سے استعمال کر سکیں۔ اسی سال فروری کے مہینے میں لاہور کے ایک مقامی ہوٹل میں پورے ملک میں کام کرنے والی ۸۰ سے زائد اُن این جی اوز نے شرکت کی جو انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے کوشاں ہیں۔ جہاں حکومتی اراکین نے اِن این جی اوز کے کردار کو سراہا رہے ہیں انہیں اپنی کاوشیں جاری رکھنے کے لئے حوصلہ افزائی بھی کی۔

پاکستانی معاشرے میں پھیلنے والی انتہا پسندی کا مکمل خاتمہ تب ہی ممکن ہوگا جب حکومت، ریاستی ادارے اور این جی اوز مل کر اپنا اپنا کردار ادا کریں گے۔ اس سلسلے میں حکومت کو جہاں انتہا پسندوں اور دہشتگردوں کا خاتمہ کرنا ہے وہیں اِن این جی اوز کو بھی مناسب سیکورٹی فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مثبت طریقے سے اپنا کردار ادا کرتی رہیں۔

مصنف انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

آپکے روپے!

فرحان خالد

رمضان کے موقع پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنی تنخواہ بینک میں سے نکلوا لیتے ہیں کیونکہ رمضان میں زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ کچھ لوگ تو اس لیے نکلواتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں ان پر زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہوا، کچھ اس لیے کہ وہ خود اپنے رشتے داروں میں دیتے ہیں، اور اسی لیے وہ بینک میں حلف نامہ دے دیتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ خود دیں گے لہذا ان کی زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ ایک تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے خیال میں بینک جو پیسے کاٹتا ہے انہیں نہیں معلوم کہ وہ کن کاموں میں خرچ کیے جاتے ہیں۔ لہذا وہ پسند نہیں کرتے کہ بینک ان کی زکوٰۃ کاٹے۔ ایسے لوگ خود ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں جن کو وہ جانتے ہیں کہ فلاح و بہبود کے کاموں میں خرچ کریں گے۔ لہذا لوگ اپنی زکوٰۃ اور صدقات رشتے داروں اور ہمسایوں میں دینے کے علاوہ فلاحی اداروں کو بھی دیتے ہیں۔ لیکن اکثر اوقات ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ چند فلاحی ادارے ہمارا دیا گیا پیسہ کہاں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں بے شمار کالعدم ادارے فلاحی کاموں میں سرگرم ہیں۔ ہمارے دیے گئے پیسے سے وہ کسی یتیم کی پرورش کر رہے ہیں، تعلیم وصحت کے کام یا میرے اور آپکے بچوں کو مارنے کے لیے اسلحہ خرید رہے ہیں ہم اس بات سے بے خبر ہیں۔

ایک جانب تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر ہمسایہ بھوکا بھی مر رہا ہے تو خبر نہیں ہوتی لیکن دوسری جانب کسی بھی موقع پر صدقات، زکوٰۃ اور عطیات دینے میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ہم بڑھ چڑھ کر فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ چاہے کوئی بھی موقع ہو جس میں خوشی، غمی قدرتی آفات وغیرہ شامل ہیں ہم صدقات وخیرات دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وفاقی وزارت اطلاعات ونشریات کے ایک پراجیکٹ میں پاکستان کے چالیس دیہی اور شہری علاقوں کے پانچ ہزار پانچ سو افراد سے سروے کروایا گیا جس کے اعداد وشمار آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گی۔ ان اعداد وشمار کے مطابق ۷۲ فیصد لوگ صدقہ خیرات رمضان، ۵۳ فیصد ماہانہ بنیادوں پر، ۴۷ فیصد عید کے موقع پر، ۳۶ فیصد مجبور لوگوں کو، ۲۲ فیصد مذہبی تہواروں پر، ۲۲ فیصد مشکل کے وقت میں، ۱۸ فیصد خوشیوں کے موقع پر صدقات اور خیرات دیتے ہیں۔ لیکن یہ صدقات اور خیرات کہاں دیے جا رہے ہیں اس کے بارے میں دینے والوں کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خوشیوں کے موقع پر خرچ کیے جانے والے آپکے صدقات ایسی جگہ پہنچ رہے ہوں جو آپکی انفرادی اور ملک وقوم کی اجتماعی خوشیاں برباد ہونے کا سبب بن جائیں۔

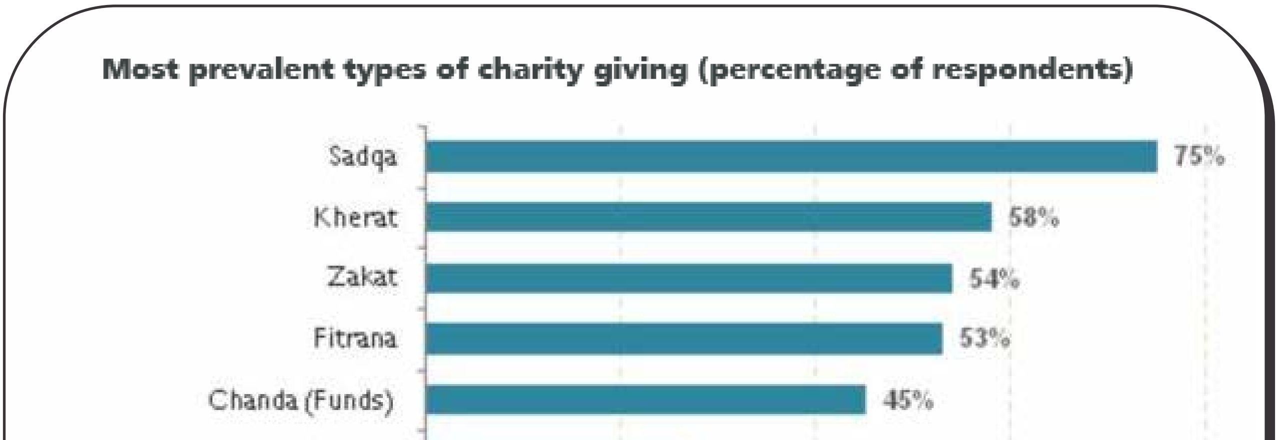

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ہی درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو کالعدم تنظیموں کی حمایت کرتے ہیں۔ بڑے پیمانے پر اتنی آسانی سے کالعدم جماعتوں کے کام کرنے کے پیچھے کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ وہ ہمارے ہی لوگوں کی حمایت سے آگے بڑھ رہے ہیں؟ حمایت سے میری مراد یہ ہے کہ ان تنظیموں سے ہمارے لوگوں کی مذہبی، لسانی، سیاسی، فرقہ وارانہ وابستگی بھی ہوسکتی ہے اور انجانے میں بھی کوئی کسی کالعدم فلاح و بہبود کے اداروں کو فنڈ کرسکتا ہے۔ ہم عطیات اور صدقات کیسے اور کہاں دیتے ہیں اس کے حوالے سے وفاقی وزارت اطلاعات ونشریات کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں ۵۵۴ ارب روپے سالانہ عطیات کی مد میں دیے جاتے ہیں۔ ۶۹ فیصد لوگ پیسوں کی صورت میں صدقات اور عطیات دیتے ہیں۔ ۲۷ فیصد لوگ قربانی کی کھالیں عطیہ کرتے ہیں۔ ۲۶ فیصد لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا عطیہ یا صدقہ کیا گیا پیسہ کن مقاصد میں استعمال ہورہا ہے۔ عطیات دینے والوں میں سے صرف ۲ فیصد لوگوں کو معلوم ہوتا ہے ان کی دی گئی رقم دہشتگردی کے کاموں میں استعمال کی جاتی ہے؟ ۴۷ فیصد لوگ زیادہ تر عطیات اور صدقات کا پیسہ مساجد میں، ۶۸ فیصد غریب غربا کو، ۵۴ فیصد رشتے داروں کو، ۱۴ فیصد کسی بچے کی تعلیم کے لیے، ۸ فیصد دہشتگردی سے متاثرہ لوگوں کو، ۵ فیصد ہسپتالوں کو دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

صورتحال یہ ہے کہ جگہ جگہ چندے کے بکس پڑے ہیں اور دینے والے ہاتھ بھی بے شمار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایک ڈبے پر کوئی بھی نام لکھ کر کسی عام سی دکان پر بھی وہ رکھوادوں تو تین نہیں تو چھ ماہ میں اس میں اچھی خاصی رقم جمع ہوجائے گی۔ ہمارے معاشرے میں لوگوں کی عطیہ دینے کی عادت سے بہت سے لوگوں کے گھر چل رہے ہیں، بہت سے لوگ بھوکے نہیں سوتے اور بے شمار بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں لیکن دوسری جانب یہ پیسہ ایسی جگہوں پر بھی استعمال ہورہا ہے جہاں ہمارے بچوں کو تعلیمی اداروں میں ٹارگٹ کیا جارہا ہے۔ انجانے میں یا بغیر تحقیق دیے گئے پیسے ہمارے ملک کے محافظوں کے خلاف اسلحہ خریدنے میں بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ ایسا بھی ہے کہ ماؤں کے لخت جگر، بیٹیوں کے سہاگ، باپ کا سہارا اور بہنوں اور بھائیوں سے ان کے بہترین ساتھیوں کے بچھڑنے کے پیچھے ہمارے یا آپکے دیے پانچ روپے بھی ہوسکتے ہیں جو شاید آپ نے کبھی نام پڑھے بغیر اس ادارے کے بارے میں جانے بغیر کسی ڈبے میں ڈال دیے ہوں۔

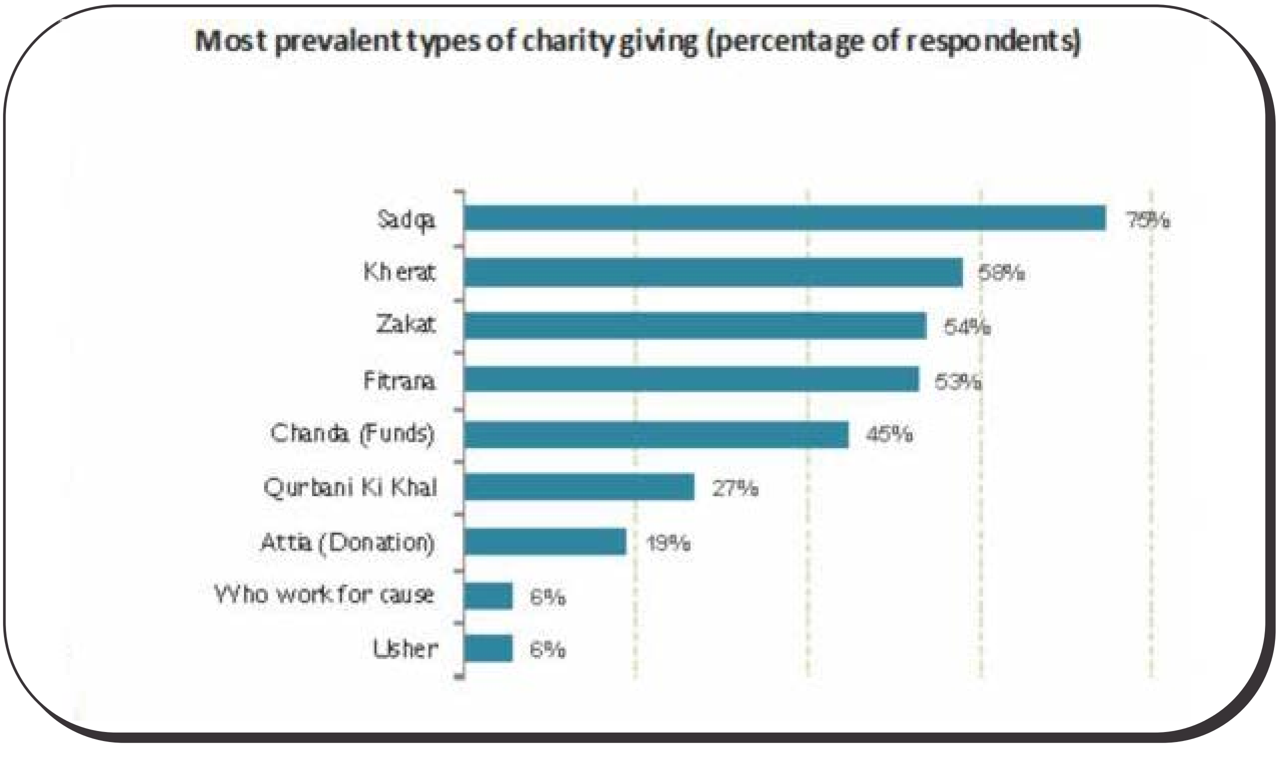

کے سہاگ، باپ کا سہارا اور بہنوں اور بھائیوں سے ان کے بہترین ساتھیوں کے بچھڑنے کے پیچھے ہمارے یا آپکے دیے پانچ روپے بھی ہوسکتے ہیں جو شاید آپ نے کبھی نام پڑھے بغیر اس ادارے کے بارے میں جانے بغیر کسی ڈبے میں ڈال دیے ہوں۔

مصنف انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

انہی پتھروں پہ چل کر!

حور کاکڑ

جب بھی سوال اٹھتا ہے کہ این جی اوز تعلیم کے شعبے میں کیا کام کر رہی ہیں، تو میرا یہی جواب ہوتا ہے کے وہ بہت کام کر رہی ہیں۔ جب این جی اوز کے تعلیم کے شعبے میں کام کرنے پر تنقید ہوتی ہے تو میں تعلیم سے کیے گئے کام کا دفاع کرنے میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ تعلیم کے فروغ کی ذمہ داری حکومت کے سر ہے، ہماری پبلک سیکٹر یونیورسٹیوں کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے اور ان کو دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں درج کیا گیا ہے۔ پرائمری اور ثانوی سطح پر حکومت کو تعلیم میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ نجی شعبے کی تعلیم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تعلیم کا معیار پرائمری اور ثانوی سطح پر بہتر ہونے کی وجہ سے اعلی تعلیم کے نجی ادارے بہترین بین الاقوامی اداروں کے ساتھ وابستہ ہیں۔

پاکستان میں تعلیم کا شعبہ مشکل مراحل سے گزر رہا ہے لیکن مشکل مراحل کے آگے آسانیاں اور بہتری ہوتی ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں جو ادارے اہم کردار ادا کر رہے ہیں ان کو سراہا جانا چاہئے جن میں حکومت، پرائیویٹ سیکٹر اور این جی اوز شامل ہیں۔ پھر این جی اوز پر تنقید کیوں کی جاتی ہے؟ ہمارے ملک میں ایسے ادارے موجود ہیں جو پاکستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے بہت کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں ایسے ادارے بھی موجود ہیں جو پرائیویٹ سیکٹر اور حکومت کے ساتھ مل کر تعلیم کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ الف اعلان اور جمشید اختر قریشی ٹرسٹ جیسے ادارے پاکستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ ادارے ان علاقوں میں زیادہ توجہ دے رہے ہیں جہاں تعلیم کا فروغ نہیں ہے۔ ایسے اداروں پر تنقید کرنا اور ان کو نشانہ بنانا غلط ہے۔

پاکستان میں تعلیم کا معیار ایسا ہے کہ یہاں اسکولز صرف کاغذوں پر موجود ہیں اور ان کی کوئی بلڈنگ نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے بھی ان اسکولوں کے خلاف کاروائی کی گئی ہے۔ این جی اوز حکومت کے ساتھ مل کر پاکستان میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ نیشنل رورل سپورٹ پروگرام ان پسماندہ علاقوں میں اسکول تعمیر کر رہا ہے جہاں سرکاری اور نجی اسکول موجود نہیں ہیں۔ سٹیزنز فاؤنڈیشن نے پاکستان میں ایک ہزار سے زائد اسکول تعمیر کیے ہیں۔ لیکن صرف اسکول تعمیر کرنا کافی نہیں ہے۔ اعلی معیار کی تعلیم فراہم کرنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ پاکستان میں یہ صورتحال ہے کہ ۳۰ فیصد سرکاری اسکولوں میں صرف ایک ٹیچر موجود ہے۔ اس سے تشویش بڑھتی ہے کہ ان اسکولوں میں تعلیم کا کیا معیار ہوگا۔ حکومت بھی ٹیچنگ اسٹاف، صاف پانی، بجلی، پلے گراؤنڈز نہ فراہم کرنے میں لاپرواہی دیکھا رہی ہے۔ ملک بھر میں ہزاروں اسکول ہیں جن میں بنیادی سہولیات تک میسر نہیں ہیں۔ انسٹیٹیوٹ آف سوشل اینڈ پالیسی سائنس اور الف اعلان نے سندھ کے دو اضلاع سجاول اور ٹھٹھہ میں سروے کروایا جس سے پتا چلا کہ ۸۰ فیصد اسکولوں میں پینے کے صاف پانی کی سہولیات میسر نہیں ہیں، ۸۵ فیصد اسکولوں میں بجلی نہیں ہے اور ۶۰ فیصد اسکولوں میں دیوار موجود نہیں ہے۔ سروے کے مطابق ۶،۷۶،۱۵۳ اطلبہء کے لیے ۱۵،۶۱۳ اساتذہ موجود ہیں۔ بنیادی سہولیات کی کمی کی وجہ سے اسکولوں میں طلباء کے داخلہ لینے میں کمی ہو گئی ہے۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور بلوچستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن جیسے ادارے ملک بھر میں اسکول تعمیر کر رہے ہیں اور اعلی معیار کی تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ ۱۱۲۹ اسکولوں کو بلوچستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور این آر ایس پی سپورٹ کر رہی ہیں۔ کیر فاؤنڈیشن ان اداروں میں شامل ہے جو حکومت کے ساتھ مل کر تعلیم کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں اور سرکاری اسکولوں کو چلا رہے ہیں جو کہ فعال نہیں ہیں۔ بڑے اداروں سے لے کر چھوٹے اداروں تک ہر کوئی تعلیم کے فروغ کے لیے کام کر رہا ہے۔

تعلیم کے شعبے میں جہاں ۴ فیصد بجٹ خرچ کیا جانا تھا وہاں ۲ فیصد بجٹ خرچ کیا گیا ہے۔ تعلیم کے لیے کم بجٹ مختص کرنے کی وجہ سے ہی پاکستان اپنے ہمسایہ ممالک بھارت، بنگلادیش اور سری لنکا سے پیچھے رہ گیا ہے۔ گھانا اور بھوٹان جیسے ممالک بھی تعلیم کے شعبے میں ۴ فیصد سے زائد خرچ کر رہے ہیں۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لیے این جی اوز پاکستان میں تعلیم کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے موثر اقدامات اٹھا رہی ہیں۔ یہ ادارے حکومت کی جگہ تو نہیں لے سکتے لیکن اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ

یہ ادارے تعلیم کے شعبے کو بہتر کرنے میں حکومت کی مدد کرتے ہیں۔این جی اوز اہم کردار ادا کر رہی ہیں کہ حکومت شہریوں کو سستی اور اعلی معیار کی تعلیم فراہم کرے۔این جی اوز تعلیم کے فروغ کے لیے اور اساتذہ کو ٹریننگ دینے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔حکومت کو جو تعلیم کے شعبے میں مسائل درپیش ہیں ان کو نمٹنے میں این جی اور کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔سول سوسائٹی کا تعلیم کے شعبے میں اپنا کردار ادا کرنا ایک بہت مثبت پیش رفت ہے جس سے پاکستان کے تعلیمی نظام میں بہتری آسکتی ہے۔

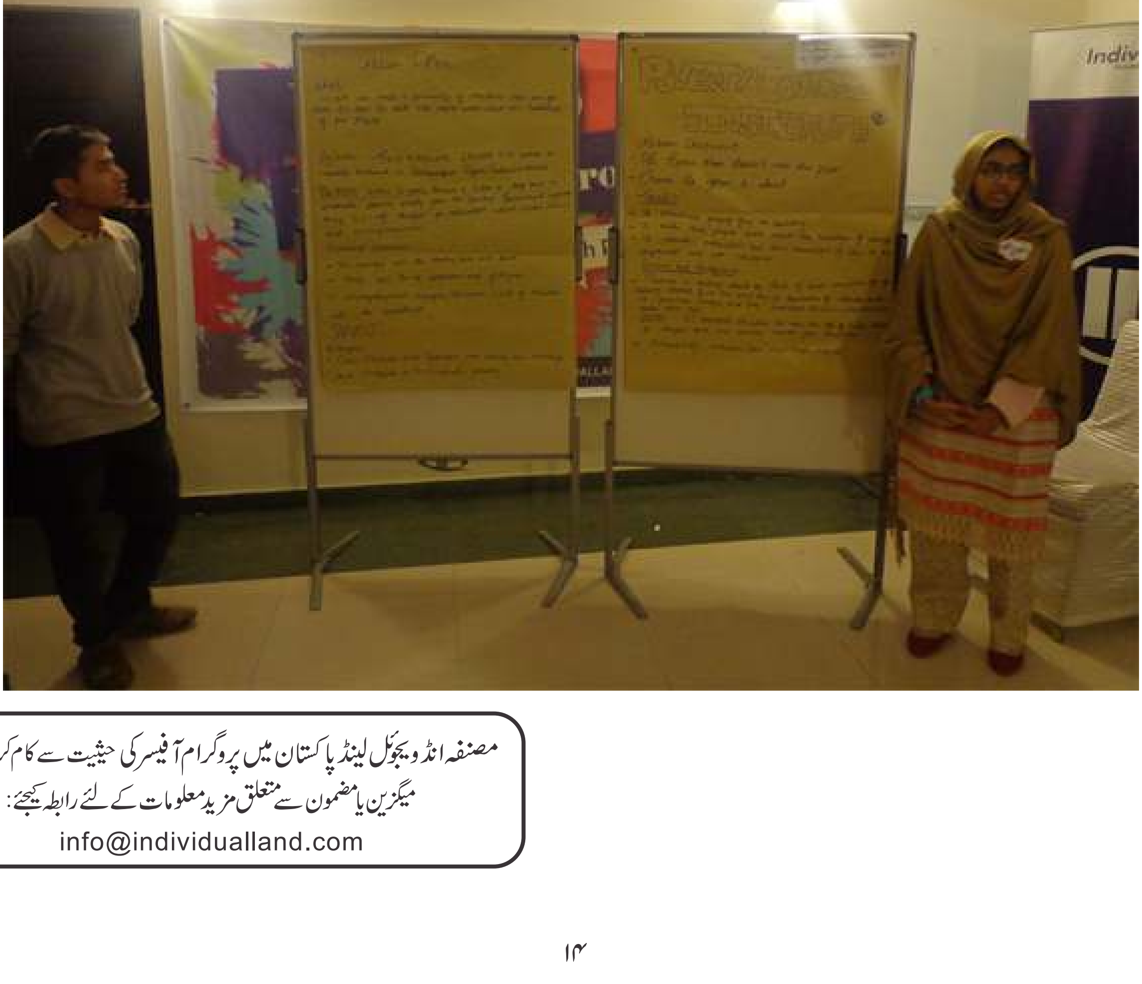

مصنفہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

پاکستان میں انسانی حقوق!

الہام کاکڑ

پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں اور بچوں کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔ تعلیم کے فروغ کے لیے عالمی سطح پر بحث چل رہی ہے کہ تعلیم حاصل کرنا ہر کسی کا حق ہے اور پرائمری تعلیم مفت ہونی چاہیے جب کہ پاکستان میں اسکول جانے والے بچے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تعلیم پر بات کرنا تو ایک بات ہے یہاں تو لوگ اچھے معیار کی زندگی سے بھی محروم ہیں۔ جو مزکورہ بالا مسائل سے بچے ہوئے ہیں ان کو مذہب، فرقے اور نسل کی بنیاد پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پاکستان میں ہر مذہب کے مذہبی مقامات پر دہشتگرد حملوں میں اضافہ اور فرقہ ورانہ ہلاکتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مذہب کی آزادی کے حق کی خلاف ورزی ہے۔ کیا ایک پاکستانی ہونے کے ناطے آپ کو انسانی حقوق مل رہے ہیں؟

پاکستان ان اڑتالیس ممالک کی فہرست میں شامل ہے جس نے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے مسودے پر اتفاق کیا۔ انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ سب کے لیے مساوی حقوق کی عکاسی کرتا ہے قطع نظر کسی کی مذہبی یا نسلی شناخت کے۔ پاکستان کا انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ پر دستخط کرنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ریاستِ پاکستان عوام کے حقوق کے بارے میں فکرمند ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی کیا حیثیت ہے؟ پاکستان میں اس پر عملدرآمد کیسے کیا جاتا ہے اور اس کے نتائج کیا ہیں؟

انسانی حقوق کی حفاظت پر بحث کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ شہریوں سے پوچھا جائے کہ انسانی حقوق کے حوالے سے ان کو کیا معلومات ہیں؟ پاکستان میں ایک عام شہری کو انسانی حقوق کی اصطلاح سمجھانے کے لیے این جی اوز ہی جدوجہد کر رہی ہیں۔ ایک عام شہری انسانی حقوق کے لیے اس وقت جدوجہد کرے گا جب اس کو اس بارے میں آگاہی ہوگی۔ جبکہ یہاں صورتحال یہ ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس طرح کے حالات میں کیسے کوئی توقع کر سکتا ہے کہ سیکورٹی فراہم کرنے والے ادارے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ نہ شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی سیکورٹی فراہم کرنے والے ادارے اتنے اہل ہیں کہ وہ شہریوں کے انسانی حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ اگر این جی اوز انسانی حقوق پر شہریوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو متحرک کر رہی ہیں تو ریاست کا کیا کردار ہے؟

پاکستان میں گزشتہ ناکام جمہوری اور آمریت کی حکومتوں کے نتیجے میں ریاستی حکام کی توجہ ملک کی معاشی اور سیاسی استحکام کے اردگرد گھومتی رہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاست کا کردار معاشرے میں صحت، تعلیم جیسی سہولیات فراہم کرنے میں ضم ہو کر رہ گیا ہے جس کے نتیجے میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہونے لگی ہے۔ ریاست کا معاشرے کی سماجی ضروریات پر توجہ دینے میں ناکام ہونا ریاست اور شہریوں کے درمیان اعتماد کی کمی کو فروغ دیتا ہے۔ پچھلی دو دہائیوں سے این جی اوز انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ پر عملدرآمد میں مصروف ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جہاں سرکاری ہسپتالوں اور اسکولوں کا معیار اچھا نہیں ہے اور اچھی تعلیمی اور صحت کی سہولیات عام انسان کی پہنچ سے دور ہیں وہاں شہریوں کا رجحان این جی اوز کی طرف ہوگا۔ نجی شعبے نے صحت اور تعلیم کی ذمہ داری لے لی ہے لیکن این جی اوز انسانی حقوق کی بحالی میں حکومت کی متبادل نہیں ہوسکتیں۔ این جی اوز سماجی خیالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انسانی حقوق کی وکالت کر سکتی ہیں۔ این جی اوز قانون نافذ کرنے والے اداروں اور شہریوں کو انسانی حقوق پر متحرک کر رہی ہیں۔ یہ این جی اوز مسائل کی وجوہات کی شناخت کر سکتی ہیں اور اس کے بارے میں آگاہی پیدا کر سکتی ہیں۔ حکومت این جی اوز کے کامیاب پراجیکٹس کے نفاذ کے ذریعے انسانی حقوق کو بحال کر سکتی ہے۔

بحیثیت قوم ہم نے ریاست سے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ پر دستخط کرنے کے باوجود کبھی سوال وجواب نہیں کیا۔ پاکستان میں این جی اوز نے معاشرے کے کمزور افراد کی بھرپور مدد کی ہے لیکن ان کو پھر بھی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق بحال کرنے میں کئی دہائیوں کی جدوجہد کے بعد این جی اوز اب ثقافت پر توجہ دے رہی ہیں۔ این جی اوز کے ایجنڈے کو سازش سمجھا جاتا ہے جس کا مقصد پاکستان کی مقامی ثقافتی ورثے کو نقصان پہچانا ہے۔ این جی اوز پاکستان میں معاشرتی اور ریاستی سطح پر مزاحمت کا سامنا کر رہی ہیں۔ اس ملک میں انسانی حقوق کی کیا حیثیت ہوگی جہاں حکومت انسانی حقوق کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی اور این جی اوز کے کام مشکوک سمجھے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کو بحال کرنے کی شروعات کہاں سے کی جائے؟ کیا سڑکوں پر اشتہار لگانے سے پاکستان میں انسانی حقوق کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے؟ کیا ہمیں حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا؟ ہمارے معاشرے کو سمجھنا پڑے گا کہ جو این جی اوز انسانی حقوق کے لیے کام کر رہی ہیں وہ سازش نہیں کر رہیں۔ اگر ہمیں کچھ غلط لگ رہا ہے تو درست کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ہم ایک ایسی نسل کی پرورش کر رہے ہیں جن کو خودکش دھماکوں سے فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے معاشرے میں عدم برداشت اتنا بڑھ گیا ہے کہ جس کی وجہ سے معاشرے میں مایوسی پھیل گئی ہے۔ ہم مذہب، فرقے اور نسل کے نام پر ایک دوسرے کا قتل کر رہے ہیں۔ غربت، بے روزگاری، ناخواندگی نے پاکستانی معاشرے کو نقصان پہنچایا ہے۔ پاکستان وہ ملک ہے جہاں جو لوگ انسانی حقوق کی بحالی کے لیے کام کر رہے ہیں وہاں ریاست نے اپنے شہریوں کو اور شہریوں نے این جی اوز کو ترک کر دیا ہے۔ این جی اوز اور حکومت کو انسانی حقوق کی بحالی کے لیے مل کر کام کرنا ہوگا جو پاکستان کے آئین میں بھی موجود ہیں۔

مصنفہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

ذمہ دار اداروں کی غیر ذمہ داریاں

سندس سیدہ

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ مختلف تنظیمیں جگہ جگہ سحر اور افطار منعقد کروا رہی تھیں، جگہ جگہ بینرز اور پوسٹرز لگے دیکھائی دے رہے تھے۔ تبھی میری نظر ایک بینر پر پڑی جس پر جو الفاظ لکھے تھے اس کی سلیس اردو یہ ہے کہ ایک تنظیم کی جانب سے شام، فلسطین اور برما کے مسلمانوں کے لیے سحر اور افطار کے لیے خیرات اور صدقات اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ کسی دوسرے ملک کے بے یار و مددگار لوگوں کی مدد کرنا بلاشبہ ثواب کا کام ہے لیکن اگر آپکے ہمسائے، رشتے دار، شہر کے لوگ یہاں تک کہ ملک کے لوگ ایسی حالت میں زندگی گزار رہے ہوں کہ ان کو ایک وقت کا کھانا بامشکل میسر آتا ہو تو آپ کیسے کسی دوسرے ملک کے لوگوں کے لیے صدقہ یا خیرات دے سکتے ہیں؟ ہم لوگ صدقہ اور خیرات دیتے ہیں لیکن کیا ہم ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں کہ ہمارے دیے ہوئے پیسے ہمارے ہی ملک میں کام کرنے والی جماعتیں ملک میں انتشار پھیلانے کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں؟ یہ سوال میرے ذہن میں آتے ہی میں نے کسی ایسے ادارے سے معلومات لینے کا سوچا جو مجھے ملک میں کام کرنے والی کالعدم جماعتوں کے بارے میں آگاہ کر سکے۔

دفتر پہنچتے ہی سب سے پہلے میں نے قومی انسدادِ دہشتگردی کے ادارے کی ویب سائیٹ کھولی لیکن وہ انڈر کنسٹرکشن تھی۔ میں نے سوچا کیوں نا یہ معلومات میں فون کر کے حاصل کر لوں، میرے پاس قومی انسدادِ دہشتگردی کے ادارے کے جو دو یا تین نمبر تھے ان پر کال کی لیکن شاید وہ نمبر تبدیل ہو چکے تھے۔ پھر میں نے ۱۲۱۷ سے نیکٹا کا نمبر لیا ان کے پاس نیکٹا کا ایک ہی نمبر تھا جو کہ ۱۷۱۷ تھا۔ پہلے میں سوچتی رہی کہ اس نمبر پر کال کی جائے یا نہیں؟ یہ نمبر تو مشکوک سرگرمیوں کی اطلاع دینے کے لیے ہے۔ لیکن پھر میں نے کچھ سوچتے ہوئے ۱۷۱۷ ملا یا۔ اپنا تعارف کروانے کے بعد جب میں نے کہا کہ "مجھے کالعدم جماعتوں کے بارے میں معلومات لینی ہے آپ میری اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں؟" اسکی وجہ میں نے یہ بتائی کہ آجکل بہت سی کالعدم جماعتیں خدمتِ خلق کے کاموں میں مشغول ہیں، میں یہ نہیں چاہتی کہ میں انجانے میں ان کو صدقات دے دوں"۔ مجھے جواب دیا گیا، "جی ضرور! آپ نیکٹا کا نمبر لکھئے وہاں سے کسی بھی افسر کا نمبر لے لیں وہ آپکو مزید معلومات دے دیں گے"۔ چناچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان میں بے شمار تنظیمیں کالعدم قرار دی جا چکی ہیں جن میں ہر طرح کے ادارے شامل ہیں: غیر سرکاری تنظیمیں، دہشتگردی پھیلانے والے انتہا پسند ادارے اور خدمات فراہم کرنے والی تنظیمیں جو کہ کسی بھی انتہا پسند تنظیم کو وسائل فراہم کرتی ہیں۔ لیکن اس حوالے سے میں مزید جاننا چاہ رہی تھی کیونکہ سانحہ پشاور ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کے بعد بھی بہت سی تنظیمیں کالعدم قرار دی گئیں اور کچھ کو واچ لسٹ میں ڈالا گیا۔ اب یہ میرا روز کا معمول تھا میں روزانہ صبح نیکٹا کے دفتر کال کرتی اور ان کی ویب سائیٹ چیک کرتی لیکن پورے ایک مہینے فون پر روزانہ کسی نہ کسی سے بات کرنے اور ان کا روزانہ کبھی کسی کے چھٹی پر ہونے کبھی کسی دوسرے افسر سے معلومات ملے گی، کبھی میری جانب سے مجھے کیا تفصیلات درکار ہیں بتانے کے بعد ایک دن کہا گیا کہ کالعدم اداروں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا نیکٹا کا کام نہیں ہے۔ نیکٹا کی ویب سائیٹ جو کہ ایک طویل عرصے سے انڈر کنسٹرکشن ہے (جون ۲۰۱۵ء سے لے کر ستمبر ۲۰۱۵ء) اس پر پرانی فہرستیں موجود تھیں تو اب یہ معلومات کیوں فراہم نہیں کی جا سکتی؟ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کام کس ادارے کا ہے؟ میں اپنے ملک میں کام کرنے والی کالعدم جماعتوں کے بارے میں معلومات کہاں سے لوں؟ کس طرح میں اپنے صدقات ان تک نہ پہنچنے دوں؟ کس طرح اپنے بچوں کو ان کی سرگرمیوں سے دور رکھوں؟ ان سوالات کا شاید کوئی جواب نہیں ہے! میرے دیے گئے پیسے کالعدم اداروں تک نہ پہنچیں! یہ میری ذمہ داری ہے جس کو میں نے ذمہ دار اداروں کی ذمہ داری پوری نہ کرنے کے باوجود نبھانا ہے۔

نیکٹا (نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم اتھارٹی) جو کہ انسدادِ دہشتگردی کا قومی ادارہ ہے ۲۰۰۹ء میں وجود میں آیا تھا۔ نیکٹا دہشتگردی کے واقعات سے نمٹنے اور اس کے خاتمے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق نیکٹا ایکٹ ۲۰۱۳ء کے تحت اسکو مستند اتھارٹی دی گئی ہے۔ نیکٹا کے زیرنگرانی کیا کام کیے جائیں گے اس حوالے سے بے شمار اعلانات کیے جاتے رہے ہیں کبھی کہا جاتا رہا کہ نیکٹا سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز کا ڈیٹا بیس کے ساتھ ساتھ کالعدم، دہشتگرد اور مافیا کا بھی ڈیٹا بیس تیار کرے گی، اسکے علاوہ مختلف اداروں، حکومتوں اور انٹیلی جنس کے مابین نیٹ ورک ترتیب دینا اور ان میں ہم آہنگی اور رابطے کے لیے نیا نظام وضع کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہوگا۔ نیکٹا کے سربراہ (نیشنل کو

آرڈنیٹر) مسلسل تبدیل ہوتے رہے ہیں، نیکٹا کے موجودہ سربراہ ریٹائرڈ لفٹیننٹ کمانڈر احسان غنی ہیں جو کہ نیشنل پولیس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل بھی رہ چکے ہیں، لیکن ان کو بھی عارضی طور پر تعینات کیا گیا ہے۔

کیا نیکٹا اتنا اہم ادارہ نہیں ہے کہ اس کے سربراہ کو کسی مقررہ (اور طویل) مدت کے لیے تعینات کیا جائے تا کہ ادارے کا قبلہ درست ہو سکے۔ اب تک نیکٹا کی صورتحال یہ ہے کہ ابھی تک یہ ادارہ اپنی سمت کا تعین نہیں کر پایا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اتنے سالوں میں نیکٹا اپنے کردار کو سمجھتے ہوئے بہتر طور پر قومی حکمتِ عملی تشکیل دینے، پالیسیوں پر عمل کروانے، بہترین ریسرچ فراہم کرنے اور انسدادِ دہشتگردی کے لیے کام کرنے والے اسٹیک ہولڈرز کی درست سمت میں راہنمائی کرنے کے قابل ہو چکا ہوتا۔ لیکن ابھی تک یہ اپنے قانونی اور انتظامی مسائل سے باہر نہیں نکل سکا۔ یاد رہے کہ قومی لائحہ عمل کے نکات میں قومی انسدادِ دہشتگردی اتھارٹی کو فعال اور موثر بنانے کی ایک شق رکھی گئی تھی۔ اس حوالے سے ابھی تک کوئی کام نہیں کیا گیا، جبکہ نیکٹا کے ساتھ سوتن کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ صرف یہ ہی نہیں اس ادارے کو کتنی اہمیت حاصل ہے اسکا اندازہ ۷ جون ۲۰۱۵ء کی رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے، جس میں یہ بات واضح الفاظ میں لکھی گئی ہے کہ ۲۰۱۵ء۔۱۶ کے سالانہ بجٹ میں نیکٹا کے لیے کوئی رقم مختص نہیں کی گئی۔ کوئی بھی ادارہ کس طرح سے کام کر سکتا ہے جب تک اسکے لیے وسائل کی فراہمی کو یقینی نہیں بنایا جائے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے ادارے بھی سیاست کی نظر ہو جاتے ہیں

National Counter Terrorism Authority
Updated website under construction

لیکن بات صرف اداروں کی نا اہلی پر کی جاتی ہے۔ کوئی بھی اس بات کو مدِ نظر نہیں رکھتا کہ اس کے پیچھے کیا بنیادی وجوہات ہیں اور مسائل کے حل کی جانب توجہ نہیں دی جاتی۔ نیکٹا کے کام کے بارے میں صرف ایسی باتیں کی جاتی ہیں جس کے کوئی بھی شواہد موجود نہیں جیسے کہ نیکٹا مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا کام کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ کام کسی بھی سرکاری ادارے کا کوئی ایک ڈیپارٹمنٹ کر سکتا تھا اس کام کے لیے ایک الگ ادارہ بنانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں تھی جس کے لیے بڑے پیمانے پر وسائل درکار ہوں۔

میں غیر سرکاری تنظیموں یا این جی اوز کے حق میں بات نہیں کر رہی لیکن یہ بات بجا ہے کہ مجھے ان ہی اداروں کے بارے میں معلومات این جی اوز نے فراہم کی۔ ان کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ میرے خیال سے سرکاری اداروں کو کالعدم تنظیموں کی سرگرمیوں کے لیے موجودہ پالیسیوں پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ معلومات کے عمل کو یقینی بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ تا کہ اگر انتہا پسند اداروں کی جانب سے کوئی نقطہ نظر بیان ہوتا دیکھیں، ان کی سرگرمیاں ہوتی دیکھیں یا پھر ان کا ادبی مواد کہیں پڑھنے کو ملے تو ان کالی بھیڑوں کو پہچان سکیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو اس سلسلے میں تعاون کرنا چاہئے، اسٹیک ہولڈرز اور انسدادِ دہشتگردی پر کام کرنے والے اداروں کو مل کر کام کرنا چاہئے۔

مصنفہ انڈ ویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

پابندیوں کے دیس میں!

عاطف فاروق

پاکستان میں مقامی اور بین الاقوامی این جی اوز، عوام اور مختلف حکومتوں کے مابین تعلقات ہمیشہ سے کشیدہ رہے ہیں۔خصوصاً اکیسویں صدی کے آغاز میں نائن الیون کے واقعے اور پاکستان میں قدرتی آفات رونما ہونے کے بعد سے صورتحال کچھ ایسی ہی ہے۔کیری لوگر بل کے تحت این جی اوز کے اخراجات کے احتساب پر ہونے والی بحث اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کا بین الاقوامی امداد کے استعمال کو منظّم کرنے کیلئے بنائے گئے قانونی مسودے نے اس معاملے کو اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔اس سلسلے کی تازہ ترین کاروائی اُس وقت عمل میں آئی جب وزارت داخلہ نے سیو دا چلڈرن انٹرنیشنل، کریٹیو ایسوسیئیٹس، آکسفیم جی بی اور نارویجئین ریفیو جی کاؤنسل جیسے اداروں پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا۔اِس آرٹیکل کے ذریعے میں نے اِیسے حکومتی اقدامات کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ہے جن سے عالمی شہرت یافتہ بین الاقوامی اداروں کو کام کرنے سے روکا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک دفعہ اپنے ملک کی ترقی میں حائل مشکلات اور اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیں۔ پاکستان نے ابھی تک اپنے ملینیئم ڈویلپمنٹ گولز حاصل نہیں کیے اور بین الاقوامی این جی اوز پر پابندیوں سے یہ معاملات اور تاخیر کا شکار ہوں گے۔سال ۲۰۱۵ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں ۳۳ میں سے صرف ۹ انڈیکیٹرز کے حصول کیلئے کام کیا جا رہا ہے، جبکہ باقی ۲۴ پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔غربت کا خاتمہ، عالمگیر بنیادی تعلیم اور مختلف بیماریوں کے خاتمے جیسے بنیادی اہداف کے حصول میں ناکامی سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نامزد ریاستی اداروں کو ناکامی کا سامنہ ہے۔ایسی صورتحال میں بین الاقوامی این جی اوز ایک ایسا راستہ فراہم کرتی ہیں جس سے ترقی میں حائل رکاوٹوں کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

یہ حقیقت جاننا بھی ضروری ہے کہ حکومت کی جانب سے صحت عامہ، تعلیم اور فلاحی کاموں کیلئے مختص کردہ رقوم ہمیشہ ناکافی ہوتی ہیں۔سال ۱۶-۲۰۱۵ میں اخراجات کیلئے مختص کردہ ۳۴۸۲ بلین روپوں میں سے صرف ۲۰.۸۸ بلین روپے (۰.۶ فیصد) صحت جبکہ ۷۱.۵ بلین (۲ فیصد) تعلیم کیلئے مختص کیے گئے ہیں۔یقیناً یہ اعداد و شمار ناکافی ہیں اور اس صورتحال میں ایسی این جی اوز جو اہم سماجی شعبوں میں کام کر رہی ہیں، پر پابندی لگانا بالکل بھی مناسب اقدام نہیں ہے۔ریاستی اداروں کو اس حقیقت سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ بعض اوقات وہ اپنی ذمہ داریاں بین الاقوامی ڈونرز کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ حکومتِ پنجاب کے تعلیمی بجٹ کا ایک خاص حصہ ڈیپارٹمنٹ فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ (ڈی ایف آئی ڈی) کی جانب سے فراہم کیا جا رہا ہے۔۲۰۱۱ سے ۲۰۱۵ کے دوران ڈی ایف آئی ڈی نے پاکستان میں تعلیم کے شعبے پر ۴۵۳ ملین پاؤنڈز خرچ کیے، جس کا مقصد چالیس لاکھ بچوں کو تعلیم فراہم کرنا، ۱۹۰۰۰۰ اساتذہ کی تربیت اور ۹۰۰۰۰ کلاس رومز کی تعمیر کو یقینی بنانا ہے۔حکومتی اخراجات کے برعکس، بین الاقوامی ڈونرز کی پاکستان کے انسانی اور ترقیاتی مسائل کے حل کیلئے مالی معاونت قابل تعریف ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق سال ۲۰۰۷ سے اب تک ایشیائی ڈویلپمنٹ بینک، اوس ایڈ، سیڈا، ڈی ایف آئی ڈی، ای یو، جرمنی، نیدرلینڈز، جائیکا، یو ایس ایڈ اور ورلڈ بینک پاکستان کو ۳۰،۷۵۴ ملین ڈالرز کی مالی معاونت فراہم کر چکے ہیں۔این جی اوز پر

پابندیاں لگانے سے بین الاقوامی ڈونر کمیونٹی پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور مستحق طبقات کو امداد میں کمی کا سامنہ کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ یہ این جی اوز ہزاروں لاکھوں افراد کو روزگار کے ساتھ ساتھ معاشرتی تحفظ بھی فراہم کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان ہیومینیٹیرین فورم صحت، غذائیت، تعلیم، رہائش اور آفات سے بچاؤ کیلئے کام کرنے والی ۵۰ سے زائد بین الاقوامی این جی اوز کے اتحاد پر مبنی ہے جو ملک بھر میں ۱۲۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم کرتا ہے۔

اس کے علاوہ بین الاقوام این جی اوز مختلف ایسوسی ایشنز کا حصہ ہونے کی وجہ سے عالمگیر رسائی بھی رکھتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں ہر ملک میں موجود این جی اوز کی معاونت حاصل رہتی ہے۔ یہ معاونت مالی اور انتظامی دونوں صورتوں میں فراہم کی جاتی ہے تا کہ ادارہ اپنے مقاصد ایک منظّم طریقے سے حاصل کر سکے۔ یہ بین الاقوامی ادارے پالیسی مرتب کرنے والوں سے بھی روابط رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ادارے سول سوسائٹی اور پرائیوٹ سیکٹر اداروں کے ساتھ بھی کام کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا پابندیوں کے عائد ہونے سے ان تمام اداروں پر منفی اثرات مرتب ہونے کا خدشہ لاحق ہو جائے گا۔

بے شک وزارت داخلہ کا بین الاقوامی این جی اوز کی نگرانی کا فیصلہ ملک کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھتے ہوئے لیا گیا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ملک کی ترقیاتی ضروریات کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اگر تو یہ ادارے حکومت کی جانب سے منظور شدہ چارٹر کے علاوہ یا ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں تو ان کے خلاف کاروائی ہونا ضروری ہے۔ پابندیاں عائد کرنے کی بجائے حکومت کو ان اداروں کے احتساب، مانیٹرنگ، جانچ پڑتال، رجسٹریشن اور منظوری کیلئے طریقہ کار وضع کرنا چاہیے۔ تا کہ حکومت اسی طریقہ کار کے تحت اُن اداروں کا احتساب بھی کر سکے جو فلاح کے نام پر ملک دشمن کاروائیوں میں ملوث رہتے ہیں اور کالعدم اداروں سے تعلقات بھی رکھتے ہیں۔

میرے خیال میں ان بین الاقوامی اداروں پر پابندیاں عائد نہیں ہونی چاہییں کیونکہ ابھی تک ہم اپنے ترقیاتی مقاصد اور اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ سالانہ بجٹ میں تعلیم، صحت اور دیگر معاشرتی مسائل کے حل کیلئے مختص کردہ رقوم کا موازنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا بیرونی امداد پر انحصار ایسی پابندیوں کی اجازت نہیں دیتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ان اداروں کے احتساب کے طریقہ کار وضع کرے اور پابندیاں عائد کرنے کی بجائے انہیں معاونت فراہم کرے۔

مصنف انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:

info@individualland.com

سوچ پر کس کا پہرہ ہے؟

سندس سیدہ

پاکستان میں دہشتگردی سے بھی بڑا مسئلہ ہمارے نوجوانوں کا انتہا پسند تنظیموں کے لیڈروں کے حق میں بات کرنا ہے۔ انٹرنیٹ پر بے شمار کالعدم تنظیموں کے مواد کو سوشل میڈیا کے ذریعہ پھیلانا عام ہوتا جارہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہماری نوجوان نسل بغیر سوچے سمجھے اسلام کے نام پر استعمال ہو رہی ہے۔ ملا عمر کی موت کی خبر کے بعد سوشل میڈیا پر کی جانے والی تقریباً ہر پوسٹ پر ملا عمر کے حامیوں کے خیالات پڑھنے کو ملتے تھے۔ جب میں نے یہ خبر پڑھی تو مجھے یہ جاننے کا شوق پیدا ہوا کہ افغان طالبان کے لیڈر ملا عمر کی ہلاکت کے خبر آنے پر پاکستان کے عام لوگوں کی کیا رائے ہوسکتی ہے؟ بھلا ان کو کیوں کسی انتہا پسند تنظیم کے لیڈر میں دلچسپی ہوگی؟ لیکن جیسے ہی سوشل میڈیا پر خبر اور پوسٹس آئیں تو میں حیران تھی کہ ہر دوسرا شخص ملا عمر کی ہلاکت پر افسوس کا اظہار کر رہا ہے۔ اور ان کے خیال میں وہ ایک نہایت ایمان دار اور مذہب کے نام پر جان قربان کر دینے والا سپاہ سالار تھا۔ پاکستان میں کالعدم قرار دی جانے والی تنظیمیں ملا عمر کی نمازِ جنازہ پڑھا رہی تھیں، اسکے لیے دعائیں کی جارہی تھیں۔ سوشل میڈیا پر میری نظر سے ملا عمر کا نماز ہ جنازہ پڑھانے کی وڈیو گزری جس میں ایک کالعدم جماعت کے لیڈر نمازِ جنازہ پڑھا رہا تھا جس کے بالکل سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا جو کہ اس کی حفاظت کر رہا تھا اسکا منہ نماز پڑھانے والے لیڈر کی جانب تھا۔ میرا یہ سوال ہے کہ کیا ان اداروں کے لیڈر جمعہ اور دیگر فرض نمازوں میں بھی اپنی حفاظت کے لیے لوگوں کو ایسے کھڑا رکھتے ہیں؟ وہ خود اپنے معاملات خدا پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ وہ جو حکومت کے پروٹوکول پر تنقید کرتے ہیں وہ کیا نماز کی حالت میں بھی خود کو محفوظ نہیں سمجھتے؟ جس شہادت کے نام پر وہ تمہیں اکسا رہے ہیں، اس شہادت سے اتنا خوف کہ نماز کی حالت میں بھی سیکیورٹی چاہیئے؟

سوشل میڈیا پر گردش کرتی خبریں، اظہارِ افسوس اور اسلام آباد میں لگائے گئے بینر اس بات کی عکاسی کر رہے تھے کہ ہمارے ملک میں ملا عمر کے حامی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ میرا سوال ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اور سیکیورٹی ادارے کیا کر رہے ہیں؟ ایسی وڈیوز اور پیج بڑے پیمانے پر کیسے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے انتہا پسند لیڈروں کے نقطہ نظر کو فروغ دے رہی ہیں؟ صرف یہ ہی نہیں ایک انتہا پسند ادارے کے لیڈر کی نمازِ جنازہ ایک کالعدم جماعت کے جھنڈے تلے پڑھائی جارہی ہو اور ہمارا میڈیا اسکو اجاگر کر رہا ہو تو ہمارا میڈیا کتنا آزاد، خود مختار ہونے کے ساتھ ساتھ ذمہ دار بھی ہے اسکا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ اگر قومی لائحہ عمل کے نکات کی بات کی جائے جو اس میں ایک شک یہ بھی تھی کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دہشتگردی اور دہشتگرد تنظیموں کے کام کو اجاگر نہیں کیا جائے گا۔ کیا واقعی قومی لائحہ عمل پر عمل درآمد ہو رہا ہے؟ کیا

ہمارے ادارے اتنے مضبوط ہیں کہ وہ یہ ذمہ داریاں بخوبی نبھا رہے ہیں؟ حکومت کی جانب سے چند اقدامات تو کیے گئے ہیں جن میں خطبات میں اشتعال انگیز اور نفرت انگیز الفاظ استعمال کرنے پر پابندی کے ساتھ ساتھ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کرنا بھی ہے۔ بلاشبہ یہ اچھے اقدامات ہیں لیکن ان اقدامات سے کچھ خاص فوائد حاصل نہیں ہو رہے۔ ہر ادارے کو اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا اور اپنی ذمہ داری کو سمجھنا پڑے گا۔ خاص طور پر میڈیا کو نہایت ذمہ داری کا ثبوت دینا ہوگا۔

میڈیا پر یہ خبر آنے کے بعد میں نے اپنے دفتر میں کام کرنے والے ایک ساتھی سے بات کی تو مجھے حیرت ہوئی کہ وہ بھی اس کے حق میں بات کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں "ملا عمر حق پر تھا کیونکہ وہ شریعت کے نفاذ کی بات کرتا تھا، جس میں سب سے اہم عناصر پردہ اور اسلام کے مطابق سزا دینا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جہاد ضروری ہے اور کفار کے خلاف جہاد کرنا چاہیے اور یہ کام اپنے ہمسائے سے شروع کرنا چاہئے جیسا کہ کشمیر میں ظلم ہو رہا ہے"۔ میرے خیال میں نوجوانوں کو ریاست کے کردار کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہر کام عوام کے کرنے کا نہیں ہے، جو جس کی ذمہ داری ہے اس کو وہی پورا کرے گا۔ اگر میں کوئی جرم ہوتے دیکھ لوں اور خود اس کی سزا دے کر مجرم کو مار دوں تو میں بھی مجرم ہی ہوں گی، کیونکہ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔ میری ذمہ داری یہ ہے کہ میں ذمہ دار اداروں کو آگاہ کروں۔ اسی طرح جہاد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے کوئی بھی تنظیم یا فرد جہاد کی ذمہ داری خود اپنے سر نہیں لے سکتا۔ ہاں! ریاست کو اس کی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کسی بھی مسئلے کی جانب متوجہ کرنا عوام کی ذمہ داری ہے۔ میرے ہمسائے یا دوسرے اسلامی ممالک میں کیا ہو رہا ہے، اور اس کو حل کیسے کرنا ہے یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔ کیا نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر اور اپنے اخلاق کو بہتر بنا کر کے بہترین مثال نہیں بنا جا سکتا؟ کیا وہ لوگ جو ہتھیار اٹھاتے ہیں ان کی صف میں کھڑے ہونا ضروری ہے؟ وہ لوگ جو ملک میں انتہا پسندی اور انتشار پھیلاتے ہیں ان کے لیے تو ہمارے لوگ دلوں میں ہمدردی رکھتے ہیں باوجود اسکے کہ انتہا پسند ادارے کسی بھی حملے اور دھماکوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ میرا ان نوجوانوں سے سوال ہے کہ ملک میں شر اور انتشار پھیلانا اور دھماکوں میں ملوث ہونے کو وہ جہاد کہتے ہیں؟ یہ کیسا جہاد ہے جس میں ہمارے بچے، ہماری عورتیں بوڑھے مارے جا رہے ہیں؟ کسی کی جان لینا، خودکش حملے کرنا وغیرہ جہاد بالکل بھی نہیں بلکہ قتل ہے۔

انتہا پسند تنظیمیں تو شریعت کے نظام کی بات کرتی ہیں تو کیا یہی وجہ ہے کہ آپ ان کے حق میں ہیں؟ سخت سزائیں دی جائیں تاکہ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے؟ کسی میں ہمت نہ ہو کہ وہ ظالم کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ اسی سب کے لیے تو فوج کی جانب سے آپریشن کیا جا رہا ہے، مجرموں کو پھانسیاں دی جا رہی ہیں پھر حکومت کے خلاف کیوں بات کی جا رہی ہے؟ کیا وہ لوگ جو ہزاروں لوگوں کے قاتل ہیں ان سے ہمدردی کرنی چاہئے؟ ایک طرف انتہا پسند لوگ شریعت کے نظام کی بات کرتے ہیں اور اسلام کے مطابق سزا دینے کی بات کرتے ہیں اور دوسری جانب جب مجرموں کو سزا دی جاتی ہے تو وہ اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں کہ ایسی سزائیں نہیں دی جانی چاہیں، پھانسیاں نہیں ہونی چاہیں۔ کیا یہ لوگ واقعی ویسا نظام چاہتے ہیں جس کی وہ بات کر رہے ہیں؟ کیسی شریعت چاہتے ہیں جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔ میں نے تو شریعت میں انسانی حقوق پامال ہوتے نہیں دیکھے؟ پھر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کیوں؟

دوسری بات جو میرے ساتھی نے کی تھی وہ پردے کی تھی جب میں نے پوچھا کہ کیا اسلام میں عورت کو گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں ہے؟ میرے ساتھی کے خیال میں آج کل کی عورت دل بہلانے کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہے اور پردہ بھی نہیں کرتی جس کی وجہ سے دوسروں کا بھی ایمان خراب ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے سوشل میڈیا پر آجکل ایک پوسٹ آ رہی ہے جس کے مطابق قرآن نے مجھے پردے کا حکم دیا ہے وہیں تمہیں بھی نگاہ نیچی رکھنے کا کہا گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میں اسکے حق میں ہوں کیونکہ مجھے میری ذمہ داری کی جانب دیکھنا ہے یہ نہیں کہ تم نے کیا نہیں کیا، بلکہ میں نے کیا کیا ہمیں یہ سیکھنا چاہئے۔ رہی بات عورتوں کے گھروں سے باہر نکلنے کی تو میرے خیال سے مجھے علم حاصل کرنے کا بھی حق ہے، مجھے تجارت کا بھی حق ہے اور جائیداد میں بھی میں وراثت کا حق رکھتی ہوں۔ مجھ سے تو تم وہ حق بھی چھین رہے ہو جو اسلام نے مجھے دیے ہیں کیا یہ واقعی شریعت ہے؟ نہیں! شاید تمہیں اصلاح کی ضرورت ہے!

مصنفہ انڈویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجئے:
info@individualland.com

Refferences

Cover page
http://www.pakistantv.tv/2015/06/14/save-the-children-allowed-to-resume-operations -in-pakistan/

Page 1
http://www.pak101.com/c/blog/view/1106/Qurbani_Ki_Khaalain_in_Karachi_and_Lahore

Page 4
http://www.newhopepk.org/html/education.html

Page 5
http://www.propublica.org/article/obama-administration-slows-its-plan-to-redirect-pakistan-aid-120

Page 7
http://www.dawn.com/news/803445/a-cry-for-human-rights

Page 9
http://www.gettyimages.com/detail/news-photo/pakistani-memebers-of-the-falah-e-insaniat-foundation-a-news-photo/455424804

Page 11 & 12
Ministry of Information and broadcasting

Page 16
http://beenasarwar.com/2010/08/30/2423/

Page 17
http://borneobulletin.com.bn/new-taleban-leader-faces-tension-as-top-official-quits/

شکیباں

حکومت اور احتساب

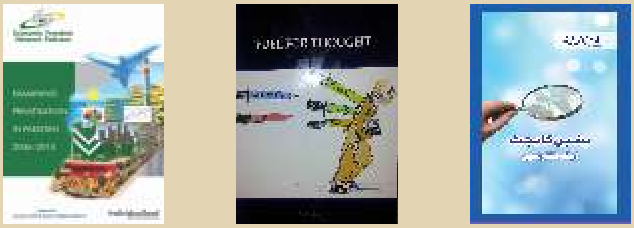

نوجوانوں سے متعلق

ادارے سے آگاہی

انڈویجوئل لینڈ پاکستان ایک متحرک، غیر جماعتی اور غیر منافع بخش رجسٹرڈ سول سوسائٹی ادارہ ہے۔ اس کا بورڈ کل پانچ ارکان پر مشتمل ہے، جبکہ روزمرہ کے معاملات اس ادارے کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری ہے۔ قیام سے لے کر آج تک اس ادارے نے حکومتی انتظامات، قانون کی بالادستی، میڈیا اور مراسلاتی، ہنر، سول سوسائٹی کے استحکام اور جمہوریت کی ترقی کے لئے کام کیا ہے۔

اشاعت

میڈیا سے متعلق

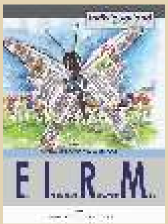

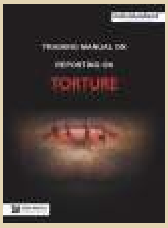

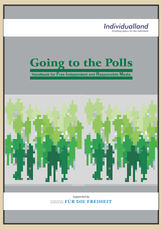

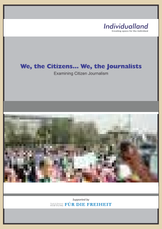

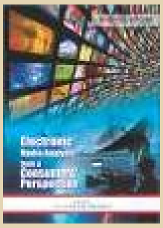

تنازعاتی تجزیے اور انتہا پسندی کے خاتمے سے متعلق

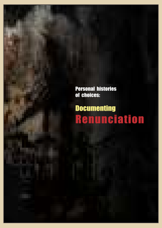

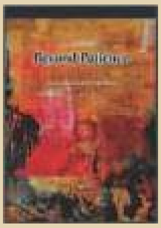

فرد میگزین

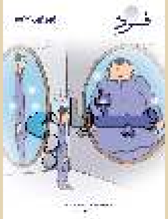
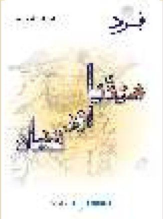
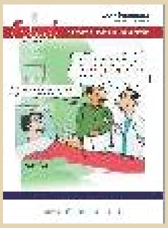
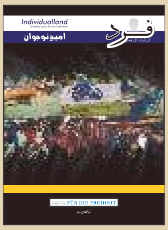

پاکستان پولیس خواتین

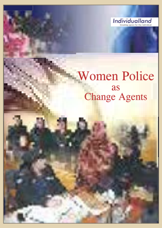

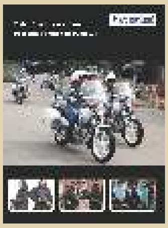
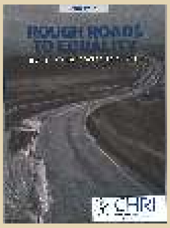

اگلی اشاعت مئی ۲۰۱۶ میں

Find us
Individualland
Individualland